بسم اللہ

نگار

فہرست مضامین ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

ملاحظات ——— ۲

علامہ آصفی نظامی مرحوم - خان امتیاز علی عرشی رامپوری - ۹

پریم کی پیاسی - صحرائی سروری - ۳۰

لفظ سنت کی تحقیق - سید مقبول احمد بی اے ۳۹

قوالی ——— ۵۱

مومن وکلام مومن - کیفی چڑیاکوٹی - ۵۴

نوائے رضا پر تنقیدی نظر ——— ۶۴

آدم وحوا سے پہلے ——— ۷۲

باب الاستفسار ——— ۷۶

مطبوعات موصولہ ——— ۸۱

منظومات :-

شاہد معصوم - روش صدیقی - ۸۸

شاعر - ثاقب جالندھری - ۸۹

ظفر نمبر کو دیکھ کر - سید علی اختر اختر - ۹۰

ہمسفر لڑکی سے - ذوقی بی - اے ۹۱

انتظار - طالب باغپتی ——— ۹۲

کوئی میرے لئے - سید شمیم عسکری ۹۳

تجلیات - امین حزین
دعوت بھی - محمود اسرائیلی } ۹۴

طاہرہ خانم - نظیر لودھیانوی - ۹۵

بسم اللہ

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد - ۱۷	اپریل سنہ ۱۹۳۰ء	شمارہ - ۴

ملاحظات

ایک قوم کے انحطاط کا بدترین دور وہ ہوتا ہے، جب وہ اس فریب مین مبتلا ہوتی ہو کہ صرف اسی کا مذہب خدا کا پسندیدہ مذہب ہے اور نجات محدود و مخصوص ہو محض اُسی کیلئے۔ پھر جب وہ اپنے ادبار و ذلت، اپنے انحطاط و زوال کو دیکھتی ہو تو اسکی کوئی تاویل نہین کر سکتی کیونکہ اسکی سمجھ مین نہین آتا کہ خدا کیونکر تنہا سچے مذہب والی قوم کو تباہ کر سکتا ہے اور آخر کار وہ "چنان نماند و چنین نیز ہم نخواہد ماند" کہکر اپنی تسکین کر لیتی ہے اور پھر اُس سے زیادہ شدید فریب مین اپنے آپکو مبتلا کر کے غافل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ یہ غلط اعتماد، یہ خلاف حقیقت عقیدہ اسکے تمام قوائے عمل کو بیکار بنا دیتا ہے اور محض "سات آسمان کی گردش" پر "کچھ نہ کچھ ہو رہنے" کا خیال اُسے آخر کار پامال و معدوم کر دیتا ہے۔

ہندوستان کے مسلمان بھی آجکل اسی دور سے گزر رہے ہین۔ ایک شاعر اُٹھتا ہے اور اسی اعتقاد کی بنا پر اپنے آپکو بغیر استعداد کے علو کا مستحق جانکر خدا سے شکوہ کرتا ہو کہ "ہم نے یون تیرے نام کا اعلان کیا، اس اس طرح دنیا کے ہر گوشہ مین تیری پرستش کرائی اور تو ہی آج ہمین برباد کر رہا ہے یہ تو سمجھ کہ ہم نہ رہین گے تو پھر کون تیری کبریائی کا علم بلند کریگا"۔ نظام عالم بدستور اپنے اصول پر جاری رہتا ہے، آفتاب و ماہتاب مقررہ اوقات پر طلوع و غروب ہوتے رہتے ہین اور قدرت کو خبر بھی نہین ہوتی کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔ کیونکہ وہان صرف فرد اعمال، پیش ہوتی ہے نہ کہ "دفتر اقوال" —— ایک واعظ اُٹھتا ہے اور افراد ملت کو سمجھاتا ہے کہ عسرت و افلاس سے

گھبرانا خلاف مذہب ہے کیونکہ خدا غریبون کا ساتھی ہے اور ہر دشواری کے بعد آسانی آنیوالی ہے۔ لوگ سنکر اُس قناعت کے ساتھ جو یاس وقنوط کا نتیجہ ہے گردن جھکائے اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہین اور وہان خاموش وبیکار بیٹھکر اُس فوز وفلاح اور اُس نعمت وبرکت کا انتظار کرنے لگتے ہین جسکا وعدہ (بقول واعظ) خدا کرچکا ہے۔ کائنات کا نظم ونسق مقررہ اصول پر قائم رہتا ہے، عناصر کی تحلیل وترکیب اسی طرح جاری رہتی ہے اسباب وعلل کے نتائج بدستور پیدا ہوتے رہتے ہین اور خدا کو پرواہ بھی نہین ہوتی" وہ برابر بلند کرتا جاتا ہے ان کو جو بلند ہونے کیلئے ہاتھ پانون مار رہے ہین اور نیچے گراتا جاتا ہے اُن کو جو اپنا بوجھ دوسرون کے سر ڈالنے کے عادی ہین

مین پوچھتا ہون کہ اگر خدا کو کائنات کا خالق، موجودات کا آفریدگار، مانا جاتا ہے تو مخلوقات کی کسی جماعت کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ اس کے برکات ونعائم کو صرف اپنے لئے مخصوص سمجھے، جبکہ اسکے جملہ مظاہر وآثار تمام عالم کے لئے یکسان طور پر افادہ واستفادہ کے لئے کھُلے ہوئے ہین۔ اگر آفتاب کی حرارت وروشنی، چاند کی برودت وخنکی، موسمون کا تغیر، نباتات کا نمو، جمادات کا تحجر، اور اسی طرح کی ہزارون کیفیات کسی جماعت کیلئے مخصوص ہوسکتی ہین تو بیشک وہ سب کچھ درست ہے جو ایک مسلمان کو مولویون کی طرف سے سمجھایا جاتا ہی ورنہ خدا کے نزدیک، اس خلاق بے ہمتا اور اُس فعّال لما یُرید کی نگاہ مین جس کی کوئی غرض کسی مخلوق سے وابستہ نہین ہوسکتی، ایک حقیر چیونٹی سے لیکر کوہ پیکر ہاتھی تک اور ایک وحشی بھیل سے لیکر دنیا کے عظیم ترین پیغمبر تک سب برابر ہین اور جس طرح ایک انسان کسی کیڑے کو پامال کرتا ہوا گزر جاتا ہے اور پرواہ نہین ہوتی، اسی طرح خدا بھی نہ صرف کسی ایک جماعت، بلکہ سارے کرۂ ارض، تمام نظام شمسی اور جملہ کائنات وموجودات کو معدوم کرنے مین معذور نہین ہے اور نہ اس سے پوچھا جاسکتا ہے کہ اس نے ایسا کیون کیا!

آجکل کا مسلمان جو یقیناً اسلام کی صحیح تعلیم سے بالکل بے خبر ہے اور جسکو علماء کے گروہ نے کبھی مذہب کی حقیقی رُوح سے آگاہ نہین کیا، محض رسماً وروایتاً اسلام سے منسوب ہونے کو اتنا بڑا اشرف سمجھتا ہے کہ اسکے نزدیک خدا کو بھی اس سے مرعوب ہوجانا چاہئے اور اسی خیال کے ماتحت وہ دنیا مین سب سے بلند زندگی بسر کرنیکا متمنی ہے درانحالیکہ اُسنے کبھی ایک لمحہ کیلئے اُس تعلق کو نہین سمجھا جو خالق و مخلوق اور عملاً عابد ومعبود کے درمیان قائم ہے اور نہ وہ کبھی اسپر غور کرتا ہے کہ خدا کے بنائے ہوئے قانون مین کبھی کوئی مستثنیٰ نہین ہوتا اور اسکا یہ قانون مقرر ہے کہ لا یغیر الله ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم۔

پھر جب حالات یہ ہین تو مسلمانون کو اپنے فلاح وبہبود کی کوئی توقع صرف "پردۂ غیب" کی امداد پر قائم کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے سنسان جنگل مین کسی شخص کا کنوئین کے اندر گرنا اور پھر یہ امید رکھنا کہ ممکن ہے کوئی شخص اُسے باہر نکال لے۔

اسباب ترقی ہر چار طرف بکھرے ہوئے ہین، لیکن ہم اُن سے کام لینے کیلئے آمادہ نہین عروج کی راہین متعین ہین، مگر ہمارے پانون مین جنبش نہین۔ قومین آگے بڑھ رہی ہین دنیا مین ہیجان ترقی برپا ہے، میدان مسابقت مین ملل عالم مضطربانہ وحریصانہ آگے بڑھتی جارہی ہین، لیکن ہندوستان کی ایک قوم جو سوائے اپنے کسی کو آشنائے صراط مستقیم نہین سمجھتی، ہنوز منتظر ہے کسی اشارۂ غیبی کی، حالانکہ زمانہ کا ایک ایک لمحہ مستقل دعوت اقدام وعمل ہے، اب تک مصروف گرانخوابی ہے، حالانکہ لوگ کاروان در کاروان منزل کی

چل پڑے ہین

آج ہندوستان جس فیصلہ کن ساعت سے گزر رہا ہے، وہ انتظار و آرزو نہین چاہتی، وہ حزم و احتیاط کی طلبگار نہین، وہ تامل و تردد کی مقتضی نہین۔ شاہد مقصود بے حجاب ہے اور ہر بڑھجانے والے دستِ طلب کے لئے اسکی دولتِ جلوہ وقف لیکن یہان ایک جماعت ایسی بھی ہے جو ابھی تک صرف "دامانِ خیالِ یار" کے چھوٹ جانے پر مصروف گریہ و ماتم ہے۔ سیل بڑھتا آرہا ہے اور اعلان کر رہا ہے کہ "مرغابی تو کہ کار با طوفان ست"، پھر جہان بہت سے ایسے نظر آرہے ہین جو "سینۂ سیلاب" کو چیرتے ہوئے گزر رہے ہین وہین چند ایسے بھی ہین جو ساحل کے ساتھ فنا ہو جانے ہی کو پسند کرتے ہین۔ کیا ہمتین ہین اور کیا فکرین!!

دعویٰ کیا جاتا ہے کہ آزادی ہر انسان کا فطری حق ہے، جیسے اول اول اسلام ہی نے بتایا لیکن کیا آج ہندوستان کے فرزندانِ اسلام کے طرزِ عمل سے اسکی تصدیق ہوتی ہے؟۔ پھر غلامی اسکو نہین کہتے کہ اپنے آپکو دوسرے کا محکوم رکھنے مین اظہارِ رضامندی کیا جائے، بلکہ یہ بھی غلامی ہے اگر حصولِ آزادی کیلئے اپنے آپکو دوسرے افراد کا ہمنوا نہ بنایا جائے۔ بدترین غلامی، ضمیر و احساس کی غلامی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ طایر جو دوسرے طایرون کے ساتھ قفس کی تیلیون سے سر پھوڑ کر نکلجانے کیلئے بیتاب نہین ہے کبھی کھلی ہوئی فضا کے برکات کا مستحق ہو سکتا ہے۔

لاہور کانگریس کا فیصلہ آزادی، جیسا کہ ہم اس سے پہلے کسی اشاعت مین ظاہر کر چکے ہین، ممکن ہے مصلحت کے لحاظ سے قبل از وقت قرار دیا جائے، لیکن صداقت و حقیقت کی حیثیت سے وہ ایک ایسی آواز ہے جسپر ہزار مصلحتین قربان کیجا سکتی ہین اور جسکے سننے کے بعد ہر انسان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اسپر لبیک کہکر دوڑ پڑے، لیکن کسقدر حیرتناک منظر ہے کہ ہندوستان کی ایک جماعت جو آٹھ کروڑ نفوس پر مشتمل ہے، اور جو مذہبًا و اخلاقًا اپنے آپکو حریت و آزادی کا بڑا علمبردار جانتی ہے اسوقت ساکت و خاموش ہے، اور اسپر وہ کیفیت جمود و تعطل کی طاری ہے، جسکو ہم صرف موت کی بے حسی سے تعبیر کر سکتے ہین۔ پھر علماء کرام کی وہ جماعت جو اپنے پندار مین اپنے آپکو تنہا رہبر صادق و قاید مخلص سمجھتی ہے، بتا سکتی ہے کہ آج وہ اسکی آتش بیانیان، وہ جہاد فرمائیان اور وہ فرطِ جوش مین سانپ کی پھنکار کی سی زہر افشانیان کہان چلی گئین۔ وہ مقدس و نورانی صورت رکھنے والے واعظ جن کے پاس ہزارون روایتین فرشتو نکی امداد کی، دس ہزار کے مقابلہ مین دس افراد کی کامیابی کی، اُس اعانت غیبی کی جو اصحاب فیل کو ابابیل کی مدد سے شکست دیچکی ہے اور اُس مافوق العادت قوت کی جو یک جنبشِ دست درِ خیبر ایسے کوہ گران کو اکھاڑ کر پھینک سکتی ہے، موجود ہین آج کیون مسجد کے حجرون سے اور خانقاہون کے زاویون سے باہر نکل کر مسلمانون کو درسِ استعلاء نہین دیتے؟ کیا اب اس سے زیادہ نازک وقت کوئی اور آنیوالا ہے کیا صیحۂ اسرافیل کسی اور چیز کا نام ہے جو ابتک ان کی گران گوشی کو متاثر نہین کر سکا، کیا کوئی اور ساعت آئیگی جب مسلمانون کی زیست و موت کا فیصلہ کرنے کیلئے یہ اپنے آپکو خدا کا بیٹا سمجھنے والے خلوت و اعتکاف کی لعنت سے باہر نکل کر آئین گے۔ یہ خود غرض و برخود غلط

جماعت، یہ اپنے بقدر یک جو نفع کیلئے دوسرے کی خرمن مین آگ لگادینے سے کبھی نہ چوکنے والی جماعت، یعنی یہ علماء کرام کی جماعت جسکے عمامہ وقبا، کی ایک ایک شکن مین ہزار اندر ہزار افسانہائے فسق وفجور پوشیدہ ہین، سارد ابل کی مخالفت مین تو چیخ چیخ کر اپنی گردنکی ہر ہر رگ پھلالینے کیلئے طیار ہے، لیکن جب سوال ملک و قوم کی آزادی کا آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کے کانون مین سیسہ پگھلا کر ڈالدیا گیا ہے اور زبان حلق سے کھینچکر باہر پھینک دی گئی ہے ممکن ہے اسکا جواب وہ یہ دے کہ سارداایکٹ چونکہ شریعت مین مداخلت ہے اسلئے اسکی مخالفت فریضۂ اسلام ہے اور آزادی کا مسئلہ محض ملکی و اجتماعی چیز ہے اسلئے شرعاً اس کی تحریک مین شرکت کرنا علی الخصوص اسوقت جبکہ کافرون و مشرکون کا ساتھ دینا پڑے، ضروری نہین۔ لیکن اس تاویل کی تہ مین جو جذبۂ "لطیف" کام کر رہا ہے وہ واقفان راز سے پوشیدہ نہین کہ کمسنی کی شادی کے خلاف ستیاگرہ ایک ایسی آرزو کی تکمیل ہے جس کیلئے بسا اوقات جان دیدینے مین بھی دریغ نہین ہونا چہ جائیکہ معمولی اذیت قید و بند کہ یہ تو عشاق کے حوصلۂ جانبازی سے کہین فروتر ہے۔ رہا آزادی ملک کیلئے ستیاگرہ کرکے سینون کو تیغ و سنان کے لئے کھولدینا، یا زندانی ہوکر مصائب جسمانی برداشت کرنا، سو اس کیلئے ایک مولوی ایک عالم دین کیون طیار ہو جبکہ حقیقتاً نہ یہان "لذت کام و دہن" کا سوال ہے نہ "ذوق قلب و نظر" کا۔

آپکو سنکر حیرت ہوگی کہ جمعیۃ العلماء کا ایک نہایت ہی مقتدر و منتخب فرد جو اپنے آپکو اس جماعت کا مرکز ثقل اور اس نظام کا مدار اعلیٰ جانتا ہے، موجودہ حالات سیاسیات پر مسلمانون کو مشورہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ

"اب مصلحت کا اقتضا یہی ہے کہ کچھ مسلمان تو حکومت سے ملجائین اور کچھ ملک کی مختلف سیاسی جماعتون سے۔

رہا مین سو مین نے تو لارڈ ارون کا آستان ناز ڈھونڈھ لیا ہے، وہ جبہ سائی کرونگا کہ میری نجات اسی مین ہے"

یہ ہے خلاصہ مفہوم جمعیۃ العلماء کی اُس شیرازہ بند ہستی کا، جو آزادی ملک کے لئے ستیاگرہ کرنے مین یہ منافقانہ، بزدلانہ اور غیر مسلمانہ مشورہ دیتا ہے، لیکن جب کمسنی کی شادی کا سوال پیدا ہوتا ہے تو اسکی موافقت مین وہ ہمہ تن "روحی فداہ" ایسا زبردست جذبۂ نافرمانی حکومت کے خلاف ظاہر کرتا ہے کہ شاید ہی گاندھی کے دل مین کبھی پیدا ہوا ہو۔ نہ اُسوقت ارون لارڈ ارون رہجاتے ہین نہ باب حکومت آستان سجود وہ اسوقت ایک انسان سے گزر کر صرف عاشق بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھکر محض "قیس و فرہاد" ہوتا ہے اور اس کے تمام جذبات اسلامی کھنچکر ان نگاہون مین آجاتے ہین، جنکی کیفیات کا مطالعہ صرف "کمسن معشوق" کے حضور یہ خلوت ہی مین کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہے حقیقت اُن قایدین ملت کی جو بدقسمتی سے ہماری عاقبت و آخرت کی ذمہ داری بھی اپنے سر لیتے ہین۔ رہگئی دوسری قسم کے رہبران قوم سو ان کا حال بھی کسی سے مخفی نہین اور آج وہی لوگ جو اپنے چوڑے چکلے سینے ٹھوک ٹھوک کر، منہ مین کف لالا کر ہندوستان کی وادیون کو اپنے خون سے لبریز کردینے کا دعوی کرتے تھے، ایسا زبردست گھونگھٹ کرکے بیٹھے ہین کہ کہ کسی طرف سے تلوار کیا خلخال کی بھی جھنکار نہین سنائی پڑتی۔ کیا مولانا محمد علی کا مسٹر میان محمد شفیع سے گلے ملکر ساری عمر کے گلے شکوون کو بھلادینا، حیرتناک نہین، کیا ذیابطیس کے اخیر مین ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے۔ کیا مولانا شوکت علی کا گاندھی کو مسلمانون کا دشمن بناکر تحریک ستیاگرہ سے باز رہنے کا مشورہ دینا تعجب انگیز نہین، کیا ضرورت سے زیادہ آماس جسم کا نتیجہ یہی ہونا چاہئے

کیا ڈاکٹر انصاری کا ہونٹ سی کر گوشۂ انزوا اختیار کر لینا خلاف توقع نہین کیا وہ لوگ جو دوسرون کے نشتر چھوتے ہین خود خار رہگزر کی خلش کو بھی نہین برداشت کر سکتے۔ جب وقت آیا کہ گونگے بولنے لگین، بہرے سننے لگین اور لنگڑے دوڑ پڑین، تو ہمارے یہان بولنے والے بھی گونگے ہو گئے، سننے والے بہرے بن گئے اور دوڑ سکنے والے عذر لنگ لے بیٹھے۔ پھر زمانہ جو پاؤن سے کانٹا نکالنے کی مہلت بھی نہین دیتا، اپنے پاس صرف ایک ہی انعام اس کے لئے رکھتا ہے جو اس سے قبل بھی بارہا ناکارہ قومون کے محو و انعدام کی صورت مین ظاہر ہو چکا ہے۔

ہندوستان کا مستقبل متعین ہو چکا ہے اور اس کا آزاد ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی اہل نظر کو انکار نہین ہو سکتا کیونکہ آج تک کسی قوم کی تاریخ مین یہ استثناء دیکھنے مین نہین آیا کہ وہ بیدار ہوئی ہو اور پھر غیر کی حکومت قائم رہ گئی ہو۔ البتہ سوال وقت کا ضرور ہے، سو اگر موجودہ تحریکات مین مسلمانون کی جماعت ہندوؤن سے علیحدہ رہی تو ہو سکتا ہے کہ ہندوؤن کو مقصد کے حصول مین کچھ تعویق پیش آ جائے، لیکن اس کی ناکامی قطعی غیر ممکن ہے۔ پھر اگر مسلمانون کی جماعت اسی طرح بیگانہ و نا آشنا رہی اور اس نے اس باطل اندیشہ سے کہ اُن کی اقلیت کو ہندوؤن کی اکثریت فنا کر دیگی، حکومت کا دامن پکڑنا مناسب سمجھا، تو اس کا نتیجہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ چند دن کے لئے "پیمان باطل" پر اطمینان کی زندگی بسر کرنیکا سبب پیدا ہو جائے، لیکن پھر اُس وقت مفر کی صورت کیا ہوگی، جب باندازۂ عمل تقسیم کا سوال رونما ہوگا اور اُس تہیدستی و بے مایگی پر کس طرح آنسو بہائے جائینگے جو مکافات عمل کی صورت سے ہمین برداشت کرنا ہوگی۔

گول میز کانفرنس کا انعقاد ہوگا اور ہندوستان کی اکثر جماعتین اس مین شریک ہونگی، لیکن اگر کانگرس کی نمایندگی اس کو حاصل نہ ہوئی، جسکا یقین ہے تو اس کا نتیجہ، "نشستند و گفتند و برخاستند" سے زیادہ کچھ نہین ہو سکتا۔ ڈومی نین ہوم رول پر گفتگو کرنے کا یقین نہ دلا کر، حکومت ہند نے آزادی کامل کے مطالبہ کو پیدا کر دیا، یعنی ایک ایسی فضا پیدا کر دی کہ اگر کانگرس گول میز کانفرنس کی شرکت پر آمادہ ہو جائے تو ڈومی نین ہوم رول کا ملجانا یقینی ہے۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے ولولہ مین ہر انکار کے ساتھ تازہ قوت پیدا کرتے جا رہے ہین، وہ آج آزادی کے مطالبہ کو عسیر الحصول دیکھ کر کل اور کونسا عزم کرینگے۔ کیا "ذوق نغمہ" کی کمی پر "حدی خوانی" کو تیز تر کرنے کی صورت کوئی اور ہوا کرتی ہے

ممالک اسلامی مین اس وقت جمہوریت ترکیہ جس عزم و ثبات، جس نظم و اہتمام کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اس کی مثال تمام ماحول و اسباب کو دیکھتے ہوئے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم مین کوئی دوسری نظر نہین آتی۔

ہندوستان کا مولوی ہر چند ترکی کو بیدین کہتا ہے اور اس کی ترقی کو نصرانیت و بیدینی کی ترقی قرار دیتا ہے، لیکن اہل نظر جانتے ہین کہ آج اگر اسلام کا صحیح وجود کہین پایا جاتا ہے تو صرف ترکی مین۔ جہان تجارت و اقتصاد کی ترقی ہے، فنون و علوم کی ترقی ہے معیشت و معاشرت کی بلندی ہے اور جہان کی قومیت ایک بنیان مرصوص کی طرح تمام بلاد یوروپ کا مقابلہ کرنے کے لئے طیار ہے۔ ہندوستان کے گمراہ کن رہبر و علماء اب بھی غور کرین کہ مذہب و قومیت دو بالکل علیحدہ چیزین ہین اور ایک ملک کی ترقی کا انحصار ہمیشہ جذبۂ قومیت پر ہوا کرتا ہے جو مذہبیت سے بہت زیادہ وسیع چیز ہے۔

مصر مین بھی اب حالات بدل گئے ہین اور یقین ہے کہ وہان بھی خود مختاری و آزادی کامل کا "یوسف کنعان" پھر جلد وطن واپس آنے والا ہے، لیکن آپ وہان جاکر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ وہان بھی جو چیز کام کر رہی ہے وہ صرف وطنیت و قومیت ہے جس نے عیسائیون، یہودیون اور مسلمانون کو ایک رشتہ و شیرازہ سے وابستہ کر دیا ہے اور کسی جگہ آپ کو مذہبیت کے سلسلہ مین اختلاف و افتراق کی جھلک نظر نہ آئے گی۔ اسی طرح ایران کی بیداری کا سب سے پہلا مظاہرہ وطنیت سے شروع ہوتا ہے اور تفریق مذہب کا سوال وہان کوئی اہمیت نہین رکھتا۔ الغرض ممالک اسلامی مین صرف وہین ترقی کے آثار نظر آتے ہین، جہان سے مولویون کی لعنت دور ہو چکی ہے یا ہو گئی ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان، جو ابھی تک اپنے صحیح دشمنون کو نہین سمجھ سکے بدستور ان رہبران قوم کو اپنا دوست سمجھے ہوئے ہین، اور ابھی تک وہ اس رمز کو نہین سمجھ سکے کہ مذہبیت بالکل انفرادی چیز ہے جسے نظام تمدن و عالم سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے۔ وہ چیز جو ہیئت اجتماعی کی تشکیل کرتی ہے، جو ملک کے افراد کو ایک مرکز پر لاتی ہے صرف وطنیت و قومیت ہے اور اگر آج یہ جذبہ ہندوستان کی آبادی مین قوی ہو جائے تو تمام اختلافات از خود مٹ جائین اور مادرِ وطن کی وہ آرزو جس کی تکمیل کے لئے وہ بیچین ہے ابھی پوری ہوئی جاتی ہے۔

یہ خبر غالباً تمام ناظرین نگار کے لئے باعث حیرت ہوگی کہ ملاحظات کے ابتدائی صفحات ریل مین اور آخری صفحات مین حضرت ہوش بلگرامی کے پاس بیٹھا ہوا لکھ رہا ہون ــ یعنی پہلی مرتبہ حیدرآباد آنے کی تاریخ مقرر کرکے ٹال گیا اور اب پہونچنے کے بعد بھی یہ نہین بتانا چاہتا کہ کب یہان پہونچا۔ مین یہان کیون آیا ہون۔ اور کب تک رہونگا۔ اس کی تفصیل کے لئے آپ ماہ آیندہ کے ملاحظات کا انتظار کیجئے تاہم یہ اظہار ضروری ہے کہ جو حضرات براہ راست مجھے کسی امر مین مخاطب کرنا چاہین وہ ۱۵ اپریل تک اس پتہ سے مراسلت فرمائین:۔

ذریعہ مولوی سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی۔ نائب معتمد افواج سرکار عالی
رسالۂ عبداللہ قدیم ــ حیدرآباد (دکن)

چونکہ مین لکھنؤ سے باہر ہون اس لئے مجھے پوری طرح یاد نہین کہ اس مہینے مین کس کس کا مضمون درج ہے اور ان مین سے کسی کے متعلق مجھے لکھنا ہے یا نہین۔ تاہم قوت حافظہ پر زور دینے کے بعد مجھے یاد آتا ہے کہ ایک تو صحرائی صاحب کا فسانہ شاید پریم کی پیاسی کے نام سے شایع ہو رہا ہے اور مجھے یہ بھی خیال ہے کہ جس وقت اس کی کاپی میرے سامنے طیار ہوکر آئی تھی تو مینے اس کے مطالعہ کے بعد یہ رائے قایم کی تھی کہ صحرائی صاحب کا ذوق فسانہ نگاری ہنوز بہت نارسا ہے اور ضرورت ہے کہ وہ پہلے انسانی زندگی کا مطالعہ بالکل صحیح اصول فطرت کے لحاظ سے کرین اور پھر جب وہ اس مین کامیاب ہو جائین تو فسانہ نگاری کی طرف متوجہ ہون۔

مومن و کلام مومن کا باقی حصہ ماہ آیندہ مین ختم ہو جائیگا۔

اس مہینے سے علامہ آصفی نظامی پر جناب عرشی رامپوری کا نہایت بسیط مقالہ شایع ہونا شروع ہوا ہے اور جیسا کہ آیندہ اجزا سے معلوم ہوگا، فاضل مقالہ نگار نے پوری تحقیق و کاوش سے کام لیکر داد سخن دی ہے۔ علاوہ ملاحظات و استفسارات کے میرا ایک مضمون قوالی پر ہے جو واقعی مزاحیہ ہے اگر آپ اُسے سنجیدگی سے نہ دیکھین۔ اور دوسرا وہ ہے جو آدم و حوا کی تخلیق سے بہت قبل ایک واقعۂ آفرینش سے متعلق ہے اس مضمون کی تحریر سے اصل مدعا وہ ہے جو اس کی آخری دو سطرون مین ظاہر کیا گیا ہے۔ اب اس پر عمل کرنا نہ کرنا ہمارے واعظین کا کام ہے۔

دونون استفسار مذہبی ہین اس لئے اگر جواب کے سلسلہ مین کسی کو بوئے دہریت و لامذہبیت آئے تو اس کا ذمہ دار مین نہین ہون۔ بلکہ پبلک ہے جو اب کسی طرح مولویون کے بتائے ہوئے اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ نہین ہوتی۔ نظمون کے متعلق مجھے بالکل یاد نہین آتا کہ کس کس عنوان پر کن کن حضرات نے لکھی ہین تاہم یہ ضرور یاد ہے کہ ہین سب معقول اور اچھی

گذشتہ ماہ کے نگار کا سرورق رنگین شایع ہوا صرف منیجر صاحب کی اُپج ہے، جس کو مین نے پسند نہین کیا۔ مجھے امید ہے کہ آیندہ وہ نگار کی سادگی کی روایت کو بدستور قایم رہنے دینگے ممکن ہے کہ بعض ناظرین نگار نے اس کو پسند کیا ہو، لیکن مین یقیناً اس سے خوش نہین ہون۔ اگر اپریل کا سرورق رنگین چھپ گیا ہو تو براہ کرم آیندہ سے وہ اسکا لحاظ رکھین۔

اس ماہ کا رسالہ بالکل میری غیبت مین چھپ رہا ہے، نہ مین کاپیان دیکھ سکا اور نہ مضامین پر اصلاحی نگاہ ڈال سکا اس لئے جو ستم اس مین نظر آئے اس کے ذمہ دار ہمارے مینیجر صاحب کو قرار دین اور جو خوبی معلوم ہو تو مجھ سے منسوب کر دین (اگر کچھ ہے)

ظفر نمبر کے انعامی مضمون کے متعلق ماہ آیندہ مین عرض کرونگا جو عرض کرنا ہے۔

نیاز

خاقانی ہند، قاآنی عصر، علامہ آصفی نظامی رح

آصفی گرچہ نمانیم بہ گیتی بسیار
لیکن از عشق بماند سخنِ ما باقی

سنہ ۱۴ھ مین عربون نے ایران پر حملہ کیا - اور سنہ ۲۳ھ مین کشادوبست کے مالک ہوگئے۔ جب تک ایران عرب کا حریف رہا، اس کے پاس سب کچھ موجود تھا، لیکن جس روز میدان کارزار مین ہتھیار رکھے نہ صرف ملک و دولت ہی ضایع کی بلکہ علوم و فنون مین بھی پسپا ہوگئے۔ اور فارس کے کیانی تخت اور کاویانی صنائع کو چند بادیہ نشینون کی نگاہ رحم پر چھوڑ دینا پڑا۔

دنیا واقف ہے کہ مغلوب کو غالب کی پزیرائی کرنی پڑتی ہے - مگر درحقیقت یہ خیر مقدم بادلِ ناخواستہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ غیر معمولی مدت کی تاثیر اور تاثر کے باوجود بھی حاکم اور محکوم قومین، علم و عمل کے ہر ہر گوشہ مین متحد الخیال نہین ہوجاتین - لیکن دنیا کے علی الرغم، عرب کو خزینۂ فطرت سے کچھ ایسی جاذبیت عطا ہوئی تھی - کہ جہان گیا - آنکھون پر چلا - اور دلون مین جگہ کی

ایران نیم وحشی قبائل سے ابتداً نفرت کرتا رہا کیونکہ ابھی تک زخم تازہ تھا، اور عربی تلوارین، زرتشتی مذہب کے خون سے رنگین نظر آرہی تھین مگر جسقدر ان کے حقیقی اوصاف و خصائص سے آگاہ ہوتا گیا، اُن کی جنسیت قبول کرتا گیا تا آنکہ بہت ہی تھوڑے عرصہ مین اپنی جداگانہ ہستی گم کر کے از سرتاپا عرب ہوگیا

یہ ایران کی وہ خصوصیت تھی، جس کی نظیر پیش کرنے سے واقعات و حوادث کا ذخیرہ ابھی تک قاصر ہے تکبیر کی صدائین بلند ہوتے ہی دنیا بدل گئی - آتش پرست پیشانیان، نمرودی سجدہ گاہون سے منحرف ہوکر، ابراہیمی گھر کی طرف جھک گئین، اور مادہ کو روحانیت نے شکست دیدی۔

ادہر اسلام کی یہ خصوصیت، کہ جہان پہنچا - ذہن و فکر مین انقلاب پیدا کردیا - ایران اس اثر سے کس طرح متاثر نہوتا - عرب فاتحانہ دراتے گھس پڑے - اور ایران نے ملک و دولت کے ساتھ ساتھ، مذہب و ملت، اور علم و فن سے بھی کنارہ کرلیا، حکومت و مذہب دونون کی زبان عربی تھی - چند روز مین "بندہ ایرانی ہستم" کے بجائے "انا مسلم" کی صدائین آنے لگین

مذہب نے لایعنی شعر و شاعری کو گمراہی قرار دیا تھا - ایران مذہبی جوش سے دیوانہ تھا - اس لئے اور علوم کے ساتھ اپنا لٹریچر بھی نذر آتش کر بیٹھا - ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ابھی نصف صدی بھی اسلام پر نگذرنے پائی تھی کہ اندرونی

مناقشات شروع ہوگئے۔ خدا کی قدرت، کہ یہی ایران، عرب کا حریف بن کر میدان جنگ مین اترا۔ ان مناقشات سے مذہب و سیاست کو جو کچھ نقصان پہنچا۔ اس کا تذکرہ تو یہان بے محل ہے۔ مگر مطلع ادب بھی ایسا غبار آلود ہوا۔ کہ تیسری صدی ہجری تک صاف نہو سکا۔

چونکہ قانونِ فطرت نے صنعت کو حکومت کا تابع بنایا ہے۔ اس لئے جب کسی قوم مین ملک گیری کا جذبہ نشو و نما پاتا ہے۔ تو علوم و فنون کی بھی جستجو شروع ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر دولت و حکومت سے تمدن، اور تمدن و تہذیب سے صنائع پیدا ہوتے ہین،، اور جون جون تمدن و تہذیب کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ علوم و فنون کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔

عرب مین بھی یہی ہوا۔ ملک گیری سے فراغت پاتے ہی صنعت و حرفت کا چرچہ شروع ہوگیا۔ آغازِ طلب مین ذوق کی وسعت، مذہب اور اس کے متعلقات تک محدود رہی، لیکن رفتہ رفتہ صحرا نوردی نے تشنگی بڑہادی۔ جو آگے چل کر اسقدر بڑھی کہ فضل و کمال کے سمندر بھی سیراب نکر سکے

ایران عرب کا مقلد تھا۔ جب تک یہان خموشی طاری رہی۔ دنیائے ایران بھی خواب غفلت مین پڑی رہی مگر عرب کا کروٹ بدلنا تھا۔ کہ عجم بیدار ہوگیا۔ اُٹھا۔ قدم بڑھایا۔ اور چشم زدن مین عرب حریف سے آگے نکل گیا۔ دنیا نے دیکھا، اور دیکھکر انگشت بدندان رہ گئی۔ فقہ و اجتہاد مین، ابو حنیفہ کوفیؒ، حدیث و رجال مین بخاریؒ و مسلمؒ، فلسفہ مین فارابی و سینا، کلام مین رازی و جاحظ ادب و متعلقات ادب مین سیبویہ اور ابو علی فارسی وغیرہ وہ لافانی ہستیان سامنے شمکن نظر آئین۔ کہ نگاہین خیرہ ہو کر رہ گئین

خیر۔ عجم نے عرب اور عربی علم و ادب کی تو خوب نقالی کی۔ مگر خود اپنے ادب و شعر کو بھلا دیا۔ جب ذوق کو نئے میدان کی تلاش ہوئی تو یہ ازیادرفتہ گوشہ یاد آیا۔ مشغلہ دلچسپ تھا۔ ہاتھون ہاتھ لیا گیا ذوق نے پذیرائی کی اور دل مین جگہ دی۔ مگر اس عرصہ مین ایران اپنی شاعری کے پارینہ اجزاءِ ترکیبی سب فراموش کر چکا تھا۔ نیا نقشہ تیار کرتے وقت، عربی بنیادون پر داغ بیل ڈالی گئی۔ چنانچہ وہی بحور، وہی زحافات، وہی صنائع بدائع، وہی تخیل، حتیٰ کہ وہی خط بھی استعمال کیا گیا

چند سال مین فارسی شاعری نے مرتب و مہذب شکل اختیار کر لی۔ گذشتہ دو ڈھائی صدی کے مسلسل جمودِ خیال نے تخیل سے بیگانہ کر دیا تھا۔ ادھر استادِ عرب بھی سادگی پسند تھا۔ تو زائیدہ بچہ نے، سادے، سچے، اور پاکیزہ جذبات ہی سے دامن بھرے۔ لیکن ہوش سنبھال کر، حکومت کے دوش بدوش چلنا پڑا۔ جو معنوی حیثیت سے عجم مین منتقل ہوگئی تھی، اس لئے جھوٹی تعریف، بیجا مدح سرائی۔ اور جوش مسابقت نے اصلی روح فنا کردی۔ البتہ تخییل مین وسعت ہوئی۔ اور چھ سو سال کے اندر گوشہ گوشہ مکمل ہوگیا

کسی حکیم کا قول ہے ؎ اگر پدر نتواند، پسر تمام کند۔ فارسی شاعری اس کا آئینہ ہے۔ اس نے آنکھین کھولکر شعر کو دیکھا تھا۔ جو قدیم خصوصیات کو خیر باد کہکر خلفاء، وزراء سلطنت، اور اراکین حکومت کا کاسہ لیس بن چکا تھا

دماغ پر اگلے خصائص کے کچھ دھندلے سے نقوش ابھی تک باقی تھے - اس لئے اتنی آن ضرور تھی - کہ ذرا سی بات پر بگڑ جاتا اور ہجو کے پل باندھ دیتا - مگر یہ جو پروان چڑھی، تو نئی امنگین ساتھ تھین - آن کی آن مین کچھ سے کچھ ہو گئی - پہلے جو کچھ نشا، نخوت وغرور تھا تو ایک مرتبہ بگڑ کر بول اٹھی تھی

دو شعر رسم بود شاعرانِ طامع را — یکے مدیح، دوم قطعۂ تقاضائی
اگر بداد، سوم شکر، ور نداد، ہجا — من این دو گفتہ ام اکنون چہ حکم فرمائی
انوری

لیکن آخر کار یہ سبق فراموش کر دیا - عرب نے زیادہ سے زیادہ کچھ کہا - تو دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ بنا دیا - مرجع مخلوقات اور ملجاء انام کہدیا - مگر اس نے بسم اللہ کی - تو اس شعر پر - کہ

نہ کرسئی فلک نہد اندیشہ زیر پائے
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد
انوری

جس کا آغاز یہ ہے - اس کا انجام اور کیا ہو سکتا ہے شریف جذبات کو یکقلم خیر باد کہدیا - اور مدح سرائی شروع کر دی - مدح کے لئے قصیدہ سے بہتر جامہ ممکن نہ تھا - اس لئے فارسی دماغ نے اسی میدان کو اپنا جولانگاہ بنایا - اور انوری، ظہیر فاریابی حسان العجم خاقانی وغیرہ شعرا پیدا ہوئے - چون کہ یہ عہد اپنے مبدأ سے قریب تھا ادہر قومی زندگی بھی سپاہیانہ تھی اور تمدن وتہذیب کے تکلفات نے تخیل میں گمراہی نہ پیدا کی تھی - اس لئے اس عہد کی زبان صاف، خیالات بڑی حد تک سادے، تصنع سے پاک، اور فطرت سے قریب رہے - تشبیہات قریب الفہم اور محسوس استعمال کی گئین - اور استعارون مین بھی بال کی کھال نہ نکالی - البتہ لفظی صنائع کا زیادہ لحاظ تھا - وہی نظم بہتر شمار ہوتی جو الفاظ کی صنعت سے زیادہ مالامال نظر آتی

اس کے بعد زمانہ نے تاریخ کا دوسرا ورق الٹا - خلفا کے بچے گداگر، اور سلاطین کے محل خاک کا ڈھیر ہو گئے دنیا کی بے ثباتی کا اس سے زائد صاف اور موثر منظر کیا ہو سکتا تھا - شعرا کی تخیلی دنیا مین بھی زبردست انقلاب ہوا - دنیا اور اس کے حکمرانون کے بجائے آخرت اور اس کے مالک کا خیال دماغ نشین ہوا - اور مدحیہ خیالات کی جگہ، صوفیانہ واردات وجذبات نے لی ان اسرار ورموز کی تشریح کے لئے ایسے وسیع صنفِ کلام کی ضرورت پیش آئی جو دریائے مواج کی طرح ہر غیر ضروری پابندی سے آزاد ہو جستجو شروع ہوئی - اور دقیقی وفردوسی کا ساز ہاتھ آ گیا - لکھنے والون نے لکھنا شروع کیا - اور دنیا خدائے سخن نظامی جامی، خسرو، عطار، اور مولانائے روم جیسی باجبروت ہستیان دیکھ کر دنگ ہو گئی - اس زمانہ مین، الفاظ مین جوش، بندش مین چستی، اور معانی مین بلندی پیدا ہوئی - مدح مین اغراق فخر مین تعلی عشق ومحبت مین جذبات لطیفہ، اور وارداتِ قلبی کی جھلک نظر آنے لگی - گو یہ دور مثنوی کہلاتا ہے - لیکن قصائد وغزل کی ترقی بھی اس کی پر وردۂ احسان ہے - قصائد مین تخیل آفرینی، غزلیات مین جذبات نگاری، اور

تشبیہ واستعارہ مین لطافت داخل ہوئی - اس عہد کے ممتاز شعرا خاجو، حافظ شیرازی وغیرہ ہین - جو اپنے خصوصیات غزل کے باعث قبولیتِ عام کے مالک بنے

لیکن ارتقائے شعر کی آخری کڑی باقی تھی - زمانہ نے ایک اور کروٹ بدلی - نوین صدی ہجری مین ایران مین طوائف الملوکی کا خاتمہ ہوکر، مرکزی حکومت قائم ہوئی - اور ہندوستان مین مغلیہ ستارہ اوج اقبال پر چمکا - تمدن وتہذیب نے مختلف زاویون مین ترقی کی - اور اکبر وعباس صفوی کے عہدِ حکومت تک عالم سرسبز ہوگیا فطرت ابھی تک محوِ خواب تھی - نئے انداز سے انگڑائی لیکر اٹھی - عشق ہمیشہ دماغ پہلے ہی مخمور تھا - فطرت کے بے نقاب نظارون نے اور آگ لگادی اور جب کہ وہ نغمۂ عشق تھے بیتاب نکلنے کے لئے - ایک ایسا ساز درکار ہوا جو محبت کی دبی ہوئی آگ کو سلگائے - جلائے - بھڑکائے، اور بھڑکاکر عالم کو تودۂ خاک بنادے - متقدمین نے عرب محسن سے ایک ساز پایا تھا - جسے غزل یا تشبیب کہتے تھے متوسطین تک تو اس مین سامان ذوق ہی نہ تھا - لیکن حافظ وخواجو، اور حسن وخسرو نے جو سرگردہِ عہد متوسط ہین اسے استعمال کیا تھا - اور اپنی خوشنوائی سے عالم کو مسحور کردیا تھا - امتداد زمانہ نے جب اسکی صدائین بے کیف کردین - تو ان حسن پرست حریفون کی باری آئی - یہ اُٹھے - بجایا - اور گوناگون نغمات سے عالم کو مدہوش کردیا اس عہد کے باوا آدم فغانی ہین - گو فغانی سے بہت پہلے، حافظ وغیرہ کی بدولت غزل کی زبان شیرین ہوچکی تھی - لیکن جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہین امتداد زمانہ کے ہاتھون شیرینی غائب ہوکر - خالص الفاظ کے داؤ پیچ پر مدار رہگیا تھا - تناسب لفظی اور ایہام کی حکومت تھی - فغانی نے تجدید کرنی چاہی تو چارون طرف سے نفرین کی صدائین بلند ہوئین - اور مہملیت کا خطاب ملا - جو یہان تک زبان زد ہوا - کہ مہمل کلام کا نام ہی فغانیہ رکھدیا گیا - مگر فطرت کی مقاومت مجہول دیکھئے - کچھ ہی دنون مین فغانیت غالب آگئی - اور غزالی - عراقی، وحشی، عرفی، نظیری وغیرہ پیدا ہوئے - انھون نے کرخت اور عشقیہ جذبات کیلئے ناموزون الفاظ بالکلیہ خارج کردیئے - نازک ترین تخیلات ادا کرنے کے لئے ویسے ہی نازک اور لطیف ترکیبی وضع کین - دقتِ معنی اور رقتِ جذبات نے استعارات اور تشبیہون مین ندرت پیدا کی - اور تصوف - فلسفہ اور اخلاق کے موتیون سے غزل کا دامن بھردیا

مدت تک یہ دل سوز نوائین، سامان گرمیِ محفل رہین - لیکن رفتار کی بے اعتدالی نے ایک ور راستہ پیدا کردیا اس کے سالک کچھ ایسے بیخود اور ناآشنائے منزل تھے - کہ راستہ ہی مین گم ہوکر رہگئے - ان مین شوکت بخاری، علی سرہندی اور میرزا عبد القادر بیدل ممتاز ہستیان ہین

دراصل یہ لوگ متاخرین کا تتمہ ہین - بعض بعض شاعر اس زمانہ مین بدمذاقی کی طرف قدم اٹھا چکے تھے - مذاق عام سلیم تھا اصلاح ہوگئی - لیکن آنے والا گروہ تباہ ہوگیا - ان نووارد دون نے اپنے سامنے کچھ نشانہائے قدم دیکھے! اور آب وسراب مین امتیاز کئے بغیر چل کھڑے ہوئے، سامنے بدمذاقی کے عمیق غار تھے - اوندھے منہ جارہے - غزل پڑھتے چلے جاؤ

مبالغہ، غلو، استعارے گورکھ دھندے، اور تشبیہات کی بھول بھلیان نظر آئین گی جس مین جنون جولانی کے سوا بس خدا کا نام ہے۔

مگر رفعت وعروج کی انتہا نئے انقلاب کا مادہ تیار کرتی ہے۔ گذشتہ چھ، سات سو سال مین، فارسی تخیل بلند ہو کر فلک پیما ہو چکا تھا۔ انقلاب ہوا۔ اور زبردست ہوا۔ میرزا غالبؒ اپنے شکستہ ساز کے بے کیف نغمون مین گم تھے۔ کہ ایران مین ایک دماغ نے نظم کی کایا پلٹ دی۔ یہ شخص زبردست فاضل، اور متعدد مغربی زبانون سے بھی واقف تھا۔ حضرت نے مذاق سلیم سے بہرہ مند کیا تھا۔ اسلئے معمے اور پہیلیان ابتدا سے گران گذرتین تھین۔ آخر طبیعت نے ابھار کر قدما کی روش پر ڈالدیا۔ اس نے ہمت کی اور قصائد مین سلاست وروانی کے دریا بہا دیئے۔ فلک پیما دماغ خستہ ہو چکے تھے۔ سب نے یہی سادہ روش اختیار کر لی ایران کی ہوا بدلجانے کی خبر ہندوستان پہنچی تو غالب زندہ تھے۔ سنا اور عش عش کرنے لگے۔ مگر وقت نکل چکا تھا۔ اور تیر کمان سے باہر تھا۔

بر سر مطلب

گو میرزا حبیب قاآنی اور اسد اللہ خان غالب ہمعصر تھے۔ مگر دونون کے مسلک مین نمایان فرق تھا ایرانی متقدمین کے راستہ پر گامزن تھا۔ اور ہندی، نظیری وعرفی کی مسخ شدہ صورت کا والہ وشیدا تھا۔ منزل قابل جادہ پیمائی تھی اگر جا پہنچتا۔ مگر افسوس صرف نشان ہائے راہ کو منزل سمجھ کر، رہگیا عبد القادر بیدل، علی سرہندی۔ بدر چاچ۔ شوکت بخاری وغیرہ داخل درس تھے۔ بیچارہ برسون اسی آئینہ خانہ مین محو حیرت رہا۔

لیکن یہ انقلاب ایران ہی مین نہوا۔ ہندوستان مین بھی ہوا۔ مذاق کی پستی کے عالم گیر اثر کو صرف قاآنی کیون محسوس کرتا۔ ہندوستان کی ہوا زبان سے زیادہ مسموم تھی۔ غالب کو بھی انقلاب شعری کی ضرورت نے ابھارا۔ مگر کیا کرتا۔ یہ فخر اس ہستی کے لئے ودیعت ہو چکا تھا۔ جو یو۔پی کے مردم خیز خطۂ رامپور مین پیدا ہونیوالی تھی یہ شخص جو آگے چل کر "علامۂ آصفی نظامی" کہلایا۔ اس وقت پیدا ہوا۔ جب قاآنی وغالب دنیا کے شعر کو خیر باد کہہ چکے تھے۔ اور ایران وہند مین فارسی شاعری کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ قاآنی نے تو اپنے بعد کوئی ممتاز ہستی چھوڑی ہی نہین۔ البتہ ہندوستان مین دو چار شخصیتین ایسی موجود تھین جنکی طرف نگاہین اٹھتی تھین مگر اچانک مغربی ذوق کا طوفان آیا۔ اور ایشیائیت بہتی چلی گئی قدامت پسندون نے بند باندھے۔ مگر بے سود۔ دریا راستہ بنا چکا تھا۔ رہی سہی امیدین بھی نذر آب ہو گئین

فطرت انقلاب ذوق واختلاف طبائع کا سرچشمہ ہے اٹھی۔ اور اس رامپوری بچہ کو گود لے لیا۔ یہ جب مکتب مین گیا۔ تو درسیات فارسی، دیوان شوکت بخاری، غزلیات ناصر علی سرہندی، نکات میرزا بیدل، اور قصائد بدر چاچ سے عبارت تھے مروج مذاق نے حافظ ونظیری وغیرہ کو شرف قبولیت نہ بخشا تھا جذبات قلبی، اور واردات روحانی کے بجائے، چیستانون پر سر دھنا جاتا تھا۔ اس بچہ نے یہی کتابین پڑھین، انھین کے مطالب کو دماغ مین جگہ دی۔ اور حیدرآباد گیا۔ تو انہی کو ہمراہ لے کر گیا۔ مگر اہل زبان کی صحبتون نے رہنمائی کی۔ اور حقیقت کا دامن ہاتھ آگیا نابردہ

راہ و ماغون کی جگہ، نظیری۔ عرفی، اور قاآنی نے لی۔ اور قصائد و غزلیات دونون مین اساتذہ کی تصویرین جھلکتی نظر آنے لگین۔

(۲)

نسبتے با دودمانِ عالیِ عشقم بس است
آصفی از نسبتِ آبا، و اجدادم مپرس

نام، نسب، مولد محمد عبد الجبار خان نام، آصفی تخلص، اور نظامی لقب تھا۔ والد کا نام حافظ عبد الرزاق خان، اور دادا کا حافظ محمد عبد اللہ خان عرف حافظ کلان تھا۔

جناب حافظ احمد علی خان صاحب شوق نے، جو رامپور اسٹیٹ لائبریری کے مہتمم اور سردار ڈیوڑھی ہین، رامپور کے علماء، صلحا، اور فقرا کا تذکرہ مرتب کیا ہے۔ جو تذکرۂ کاملین رامپور کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ مرحوم کو بھی خط لکھا تھا۔ جواب مین انھون نے اپنے مختصر حالات، اور کتابون کی فہرست لکھ بھیجی تھی۔ میرا ماخذ وہی خط ہے۔ فرماتے ہین۔

"کرم نامہ بہ طلب احوالِ خاکسار و تصانیف و تالیفات صادر ہوا۔ ممنونِ کرم کیا۔ بہ تعمیل حکم شریف حالات لکھدیئے گئے۔ کمی و زیادتی کا اختیار ہے۔ اہل رامپور کے تذکرہ مین شریک ہونے کا شرف بطفیلِ ذاتِ ہمایون ہوگا۔ ورنہ مین کہان، اور رامپور کا تعلق کہان۔ چالیس سال سے سرکارِ نظام کے سایۂ عاطفت مین بسر ہو رہی ہے۔ جو کچھ اکتساب علوم ہوا وہ اسی سرزمین مین ہوا، بہرکیف تھوڑا تعلق بھی دنیوی اعتبارات سے کافی ہے"

حضرت آصفی نسلاً افغانی تھے۔ غالباً ان کے دادا حافظ کلان افغانستان سے ترک سکونت کرکے رامپور مین اقامت گزین ہوئے تھے۔ آصفی یہین پیدا ہوئے۔ اور یہین عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

حافظ محمد عبد اللہ خان کو علوم دینیہ مین بڑی دستگاہ تھی۔ جید قاری اور ریاضت و مجاہدہ مین اکابرِ زمانہ مین شمار ہوتے تھے۔ حضرت آصفی نے اپنے تذکرہ مین انکے متعلق لکھا ہے

"فقیر کے دادا عالمِ متبحر، حافظ اور قاری جید تھے ریاضت و مجاہدہ مین اکابرِ زمانہ سے تھے۔ بڑے بڑے علما و صلحا ان سے استفادۂ معنوی کیا کرتے تھے۔ سید حسن شاہ صاحب محدث جو رامپور کے اعلیٰ درجہ کے علمائے اعلام سے تھے۔ خاکسار سے فرماتے تھے۔ کہ تمھارے دادا عزیز الوجود تھے۔ مین ان کی خدمت مین حاضر ہوا کرتا تھا۔ مولوی مختم صاحب ان کے فیض یافتون سے تھے۔ علی ہذا الاکثر نامور علما اور اصحابِ طریقت ان سے مستفید ہوتے تھے۔ اس زمانہ مین کہ راستے پرخطر اور اسباب سفر دشواری سے

بہم ہوتے تھے۔ سات بار زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ روضۂ منورہ سے بہت کچھ انوار و برکات حاصل کئے۔ تقوی اس درجہ تھا۔ کہ بے نماز آدمی کے ہاتھ کی چیز کا کبھی استعمال نہین کیا۔ ریاست ٹونک اور جاورہ سے سالانہ معقول طور پر امداد ہوتی تھی۔ کسی رئیس کے مکان پر نہین جاتے تھے، نواب احمد علیخان، فرمان روائے رامپور کے عہد مین رحلت کی"

علم میراث اب وجد نہین۔ ایک وہبی فضیلت ہے۔ حافظ عبد الرزاق خان وہ دل و دماغ لیکر نہین آئے تھے جس کی علم کو ضرورت تھی۔ ایسے متبحر اور شیخ العصر باپ کی فیضِ صحبت سے حفظ کلام اللہ اور قرأت کے سوا کچھ نہ پایا آصفی نے جہان ان کی علمیت کا تذکرہ کیا ہے، صرف "حافظ اور جید قاری تھے" لکھا ہے۔ غدر ۵۷ء سے پہلے حافظ عبدالرزاق خان تجارت کے ذریعہ بسر اوقات کرتے تھے۔ غدر کی آگ فرو ہوجانے کے بعد طلب معاش کے لئے ہرات و قندہار کا طویل سفر کیا۔ مقصد تو یہ تھا کہ اس سفر سے ہندو افغانستان کے درمیان ایک مستحکم سلسلۂ تجارت قائم کرین۔ مگر اثنائے راہ مین امیر خداداد خان والی قلات نے روک لیا۔ اور آپ نے ان فوج مین جمعدار رسالہ مقرر کر دیا۔ مثل مشہور ہے۔ "عشق اور مشک کبھی نہین چھپتے" اس مین "علم و فضل" کے اضافہ کی اور ضرورت ہے۔ استعداد اور علمیت بھی اپنی غماز ہین چند روز مین والی قلات کو علم ہوگیا کہ یہ نیم ہندی جید حافظ اور زبردست قاری ہے۔ چنانچہ اپنے لڑکون کی تعلیم اُن کے سپرد کرکے عہدۂ رسالداری اور تین سو سوار عنایت کئے تقریباً بیس سال امیر موصوف کے موردِ عنایات رہے۔ اس کے بعد ترک روزگار کرکے رامپور چلے آئے اور شاہجہانپور کے علاقہ مین ایک موضع خرید کر از سر نو تجارت پیشہ کیا۔ کچھ دنون کے بعد معہ اہل و عیال چندوسی چلے گئے۔ اور کھنڈسار سے وجہ معیشت پیدا کرتے رہے۔ آخر عمر مین اس سے بھی دست کش ہوگئے اور ۱۳۳۱ھ مین وہین انتقال کیا

آصفی سنہ ۱۲۶۱ھ مین پیدا ہوئے، سہ نثر کے خاتمہ مین لکھا ہے۔ "درین نزدیکی کہ سرو آزادِ عمرم از جوئی چمنِ عشرۂ سوم آب دریافتہ" (سہ نثر آصفی صفحہ ۱۶۷) سہ نثر سنہ ۱۲۹۱ھ کی تصنیف ہے، نثر سوم کے صفحہ ۱۸۰ پر مادۂ تاریخ تحریر کیا ہے فرماتے ہین۔

آمدہ سالش ز نظام سخن نامۂ اقبال نظام دکن

دوسرا مصرع مادہ ہے۔ جس سے سنہ ۱۲۹۱ھ سالِ تصنیف نکلتا ہے، اس وقت آصفی کی عمر ۳۰ سال تھی تیس کو سنہ ۱۲۹۱ء مین سے گھٹانے پر سنہ ۱۲۶۱ھ باقی رہجاتے ہین۔ صاحب تذکرۂ کاملین رامپور نے تقریباً سنہ ۱۲۶۷ھ سال پیدائش بتایا ہے لیکن وہ کس طرح درست نہین۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب عبد الرزاق خان قلات مین ملازم تھے۔ آصفی کی پرورش ان کی غیبت مین ہوئی۔ جب یہ سن شعور کو پہنچے تو گھر مین عورتون اور بچون کے سوا کوئی سرپرست نہ تھا

آصفی عام طفلانہ دماغ لیکر آتے، تو حشرات الارض کی طرح خاک ہوکر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے۔ مگر انہین فطرت نے

وہ دماغ عطا کیا تھا جس مین علم کی طلب کا جنون اور فضل وکمال کی تحصیل کا سودا تھا۔ اسلیئے فطری ذوق وشوق طفلانہ لہو ولعب پر غالب آیا۔ اور ثابت ہو گیا کہ "السعید من سعد فی بطن امہ" (نیک ماں کے پیٹ سے نیک ہوتا ہے)

آصفی اٹھارہ سال کی عمر تک رامپور مین مقیم رہے۔ مختلف مکتبی ملاؤن سے فارسی کی ابتدائی کتابین پڑھین۔ اور جب چل نکلے تو مولوی ولی محمد خان صاحب بسمل رامپوری کے حلقۂ درس مین شامل ہو گئے۔ یہ صاحب فارسی کے زبردست فاضل تھے۔ مولانا ان کے متعلق تحریر فرماتے ہین۔

"صاحبِ ممدوح اعلیٰ درجہ کے فارسی دان تھے دیگر علوم پر بھی حاوی تھے۔ انکی عمر طلب علم ہی مین بسر ہوئی۔ انشا، اور شعر انکا طبیعی مشغلہ تھا۔ اساتذ کا تتبع کم کرتے تھے۔ اور نازک خیال تھے۔ مجکو ان سے اصلاح سخن کا موقع نہوا۔ صرف درس کا استفادہ ہوا"

یہ خلد آشیان نواب کلب علی خان بہادر کا عہد تھا۔ رامپور فضلا، وشعرا کا مجمع تھا۔ اسی زمانہ مین آصفی کو عربی پڑھنے کا شوق دامنگیر ہوا مولانا عبد القادر خان صاحب مفتی عدالت دیوانی ریاست رامپور سے کنز الدقائق پڑھی۔ مفتی صاحب افغانستان کے باشندے ہین۔ ترکِ وطن کرکے رامپور مین اقامت گزین ہو گئے ہین۔ اور آج ہندوستان مین صرف ایک فقیہ ہین۔ آصفی کا مفتی صاحب سے فقہی استفادہ اس امر کی کافی ضمانت ہے۔ کہ وہ فقہ مین معقول دسترس رکھتے تھے

والدین کی ناعاقبت اندیشی سے فارسی درسیات ختم ہوتے ہی ازدواجی زندگی کا دور شروع ہو گیا۔ آصفی نے ترک وطن کی ٹھان لی۔ اس زمانہ مین بھوپال علم کا دوسرا مرکز تھا۔ "اشرف نوع انسانی، علامۂ روزگار، صدر کبار نواب سید محمد صدیق حسن خان صاحب بہادر مرحوم صدر آرائے علوم وفنون تھے" اور ایک عالم اس طرف کھنچا جا رہا تھا وطن کی ناقدردانی نے، مجبور کیا۔ اور آصفی بھوپال چلے گئے نواب صاحب بہادر ان سے بہت شفقت ومحبت سے پیش آئے۔ اور ہمیشہ کے لئے مورد عنایات بنادیا۔ آصفی کچھ مدت تک بھوپال مین مقیم رہکر وہان کے علما کی درسگاہون مین حاضر ہوتے رہے۔ لیکن جہان تک پتہ چلتا ہے۔ ملازمت نہ کی

دہلی ولکھنؤ کے تباہ ہو جانے کے بعد، اربابِ فضل وکمال کے لئے ماوی وملجا رام پور تھا۔ یا حیدر آباد۔ مرحوم نظام کے عہد نے سرزمینِ دکن کو، اہل علم سے مالا مال کر دیا تھا۔ فنونِ لطیفہ سے مغفور کو خاص دلچسپی تھی۔ اور کرسی وزارت پر سر سالار جنگ جیسی علم دوست ہستی متمکن تھی۔ اس لئے علی الخصوص عربی وفارسی علم ادب اوج شباب پر تھا

آصفی کو ذوق شعر وادب فطرت سے ودیعت ہوا تھا۔ اتفاق سے کسی عزیز نے حیدر آباد کے حالات لکھے۔ اور ادب کی ترقی کا خاص طور پر تذکرہ کیا۔ مولانا کے ذوق ادب کیلیئے خط نے تازیانہ کا کام دیا۔ یہ بھوپال کو خیر باد کہکر حیدر آباد جا پہنچے۔ عربی کی ابتدائی درسیات رامپور اور بھوپال ہی مین ختم کر چکے تھے۔ وہان پہنچکر دواوینِ عرب اور کتب اہلِ ادب کے مطالعہ مین مصروف ہو گئے

اُس وقت حیدرآباد مین ایک زبردست فاضل مقیم تھے۔ آقا سید علی طوبی سوشتری نام تھا اور (جیسا کہ آصفی نے اپنے خط مین لکھا ہے) ادبائے عراق مین ممتاز پایہ رکھتے تھے۔ یہ علامہ سید نعمت اللہ جزائری کے خاندان اور سادات نوریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مذہب امامیہ تھا۔ بدرجۂ کمال مہذب تھے۔ ان کے فضل و کمال کو آصفی نے ان الفاظ مین سراہا ہے

"یہ سید عالی نسب، والاحسب، اہل عراق کے مشہور ادبا مین اعلیٰ پایہ رکھتے تھے۔ واللہ بالسدان کی معلومات لغوی اور شواہد کلام عرب، قیاس سے باہر تھے۔ قریحہ ایسا تھا۔ کہ قلم برداشتہ سینکڑون اشعارِ عربیہ لکھدیتے تھے۔ اور یہی حال نثر عربی اور فارسی کا تھا"

حیدرآباد مین آصفی نے اس علامہ کا حلقۂ درس انتخاب کیا۔ اور بصد خلوص و شوق ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ علامہ کی مجلس اہلِ عجم و عرب کا مرکز تھی۔ اس اہلِ عجم کے اختلاط اور میل جول نے، ان کی استعداد فارسی مین بھی غیر معمولی اضافہ کرایا۔

شعر گوئی کی مشق آصفی نے رامپور ہی مین شروع کر دی تھی۔ حامی تخلص کرتے تھے۔ نواب خلد آشیان کی ایما سے امیر مینائی مرحوم نے رامپور کے شعرا کا تذکرہ مرتب کیا تھا۔ جو انتخاب یادگار کہلاتا ہے۔ اس مین آصفی کا تذکرہ اسی تخلص کے تحت مین ہے۔ صاحب تذکرہ لکھتے ہین۔ اسوقت اٹھارہ سال کی عمر ہے۔ نمونہ کے طور پر دو شعر بھی لکھے ہین

میکشی اے ہمنشینان درچمن خواہیم کرد سرو شکلِ شیشۂ و گل صورت ساغر گرفت
بہر آسائش بکوئی او وطن خواہیم کرد کے کشاید خاطرِ من از تماشائی بہشت

لیکن اسوقت تک کسی کو اصلاحِ سخن کے لئے پسند نکیا تھا۔ یہان علامہ کے فضل و کمال نے ایسا مبہوت کیا کہ انھون نے استفادۂ عربیت کے ساتھ ساتھ اپنا کلام بھی سنانا شروع کر دیا۔ ایک تو اس علامہ کی نکتہ چینی، دوسرے اہل عجم کے مجالس و محافل، ان باتون نے ملکر آصفی کو طہرانی، یا شیرازی بنا دیا۔ دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ تربیت کے بعد ہندی دماغ بھی نظیری، عرفی، طالب، حزین، اور قاآنی کی صف مین جگہ پا سکتا ہے۔

بعض احباب کے مشورہ سے آصفی نے حضور نظام دکن مرحوم کی مدح مین سہ نثر لکھکر بارگاہ ہمایون مین پیش کیا۔ اس زمانہ مین پیشی کا موجودہ منظم طریقہ نہ تھا۔ مہینون اور برسون تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔ تب کہین کوئی عرضی حضور کی نظر سے گذرتی۔ آصفی جن صاحب کے ہان مقیم تھے۔ وہ رامپور کے باشندہ تھے وہان وکالت کرتے تھے۔ نہایت شریف النفس اور دوست پرور تھے۔ وہان ایک بدمعاش شیخ چاند نامی رہتا تھا۔ شریف آزاری رویہ تھا۔ کسی بات پر وکیل صاحب سے بگڑ بیٹھا بیچارے یہ شریف آدمی کیا کرتے۔ اس نے بیجا پریشان کرنا شروع کر دیا۔ جب معاملہ حد برداشت سے آگے نکل گیا۔ تو مجبوراً آصفی سے تذکرہ کیا۔ اور ساتھ ہی زندگی سے بیزاری ظاہر کی۔ آصفی غیور طبیعت تھے۔ پھر معاملہ تھا۔ ایک محسن دوست کا انہین تسلی دے کر شیخ چاند کو باز رکھنے کا وعدہ کیا۔ شیخ صاحب بادۂ سرکشی مین چور تھے۔ اور جہاندیدہ بھی تھے۔ ایک نوجوان

کوکب خیال مین لانیوالے تھے۔ حسب عادت پھر وکیل صاحب کو تنگ کیا۔ ایک بار آصفی نے پھر فہمائش کی۔ مگر بے سود۔ آخر سہ بارہ آپ سے باہر ہوگئے۔ شیخ صاحب بازار مین کسی دوکان پر بیٹھا کرتے تھے۔ آصفی تلوار لیکر اُن کے اڈے ہی پر جا پہنچے۔ شیخ صاحب نے معمولی باتون کا جواب تندی اور غصہ سے دیا۔ اور آخر کار تلوار چلنے لگی۔ آصفی نہایت قوی الجثہ جری، اور شمشیر باز تھے۔ دو چار ہاتھون کے ردوبدل کے بعد شیخ چاند زمین پر آرہے۔ اور جان بحق تسلیم ہوگئے۔ یہ گرفتار کرلئے گئے اور مقدمہ مین وکیل صاحب کی جان توڑ کوشش کے باعث، پھانسی تو نہوئی مگر حبس دوام ہوگیا۔ اس واقعہ پر تقریباً دو سال گزرے ہون گے۔ کہ ناگاہ بخت نے یاوری کی۔ اور سہ نثر حضور نظام کے سامنے پیش ہوئی۔ نظام مرحوم بڑے نقاد سخن تھے۔ اس جوان سال شاعر کی نظم و نثر سے استعداد ذاتی کے جوہر تاڑ گئے۔ حکم دیا۔ بلاؤ۔ ارکین دولت نے عرض کیا۔ شاعر قید خانہ مین اپنے بقیہ سالہائے حیات گزار رہا ہے۔ استفسار ہوا۔ کیون۔ بیان کرنیوالون نے حقیقت حال کا اظہار کیا۔ ترحم خسروی نے برداشت نکیا۔ کہ ایک شریف آزار اوباش کے عوض، ایک جوان سال وپیرانہ فہم، شاعر ایسی ذلیل زندگی بسر کرے۔ رہائی کا حکم دیا۔ اور نواب افسر الملک کمانڈر انچیف افواج قاہرہ نظام کے برگیڈ آفس مین میرمنش مقرر فرمایا حسن خدمت، اور لیاقت کے باعث آصفی برابر ترقی کرتے رہے تا آنکہ مددگار معتمد صرفِ خاص شاہی ہوگئے۔ موجودہ فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ سریر آرائے ملکِ دکن ہوئے، تو آصفی کو خاص طور پر مورد عنایات خسروانہ بنایا۔ چنانچہ ایک تصنیف کے صلہ مین ماصہ روپیہ کا منصب دار مقرر کیا

آصفی کی عربی قابلیت بھی ہندوستانیون کے لئے قابل رشک تھی۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے بعد صرف "دو" ہستیان نظر آتی ہین جو عربی زبان مین مشغلۂ شعر وسخن رکھتی تھین۔ ایک مولنا فیض الحسن سہارنپوری اور دوسرے علامۂ آصفی خط مین لکھا ہے۔ کہ عربیت مین سید علی خان موسوی صاحب "سلافۃ العصر" و "انوار الربیع" کے متبع ہین بعض قصائد آزاد بلگرامی کے تتبع مین لکھے ہین ایک قصیدہ بوفراس کے قصیدہ پر ہے۔ فارسی کے ساتھ ساتھ عربی سے اسقدر شغف حیرت انگیز ہے۔ آخر عمر تک طلبہ کو عربی ادب کی انتہائی کتابون کا درس دیتے رہے۔ مگر آخر مین شعر وسخن سے نفرت ہوگئی تھی۔ اور کتب سیر وغیرہ کے ترجمہ وتالیف مین مشغول ہوگئے۔ اپنے خط مین اس پر افسوس ظاہر کیا ہے۔ کہ امرا کی مداحی مین عمر عزیز کا گرانمایہ حصہ، شباب، رائگان گیا۔ کاش یہ آخرت کے کام آتا چنانچہ آخری بیس پچیس سال مذہب ومتعلقاتِ مذہب پر صرف ہوئے

تاریخ پیدائش ووفات

سال پیدائش ۱۲۶۱ھ ہے۔ سہ نثر کے خاتمہ مین لکھا ہے۔ کہ ۳۰ سال کی عمر مین تصنیف کی ہے۔ یہ ۱۲۹۱ہجری مین تمام ہوئی تھی۔ اس لئے اس سے مذکورۂ بالا سند کی تائید ہوتی ہے۔ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۶ جون ۱۹۲۶ء کو تقریباً ۸۳ سال کی عمر مین حیدرآباد مین انتقال کیا

مولانا بڑے تنومند اور قوی الجثہ تھے۔ لیکن حیدرآباد کی آب وہوا ناموافق تھی۔ آخر عمر مین مختلف امراض

ستاتے رہے۔ دردِ گردہ بالخصوص حملے کرتا رہتا تھا۔ ایک بار کسی تیز دوا کا استعمال کیا۔ گردون مین پیپ پڑ گئی۔ ہر چند علاج کیا۔ لیکن جان بر نہو سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اخلاقِ مخصوصہ واحوالِ عامہ

آصفی، متقی اور پرہیز گار تھے۔ رواسم مذہب کی سختی سے پابندی کرتے۔ موجودہ مذہبی سہولت پسندی اور ناروا سی آزادی ناپسند تھی۔ فرماتے ہین

چنان کردند برہم آصفی این نیچران دین را
کہ شد ہند و دکن شورشکدہ از نامسلمانی

روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا۔ قصائد کا بڑا حصہ نعتیہ ہے۔ جو لفظ منہ سے نکلتا ہے۔ محبت وخلوص مین ڈوبا معلوم ہوتا ہے۔ اسلیئے نعتیہ قصائد مین خاص طور پر زور ہے۔ فرماتے ہین

اے مہر تو شیرازۂ جمعیتِ امکان — وز قہر تو مجموعۂ کونین مجزّا
یک برگ بود نخل ترا، زندگیٔ خضر — یک ریشۂ گلزارِ ترا عمرِ مسیحا
مشتاقِ ترا، بزمِ ازل، میکدۂ ذوق — مجنونِ ترا عہدِ ابد، عرصۂ صحرا
مخمورِ ترا، خونِ جگر، چشمۂ حیوان — رنجورِ ترا، مرگِ ابد، فیضِ مسیحا
یک نالۂ شوریدۂ تو، شورشِ محشر — یک داغ جگر سوختۂ از دوزخِ فردا

اے ذاتِ ترا، عزتِ کونین، زمینگیر! — بر عرشِ برین، شانِ تو افراخت علم را
تا نامِ ترا، نقشِ سرِ لوح نہ بستند — از چشمِ قلم جلوہ نشد حرف و رقم را
تا ذاتِ ترا مقصدِ ہستی نہ شمردند — مفہوم نشد فائدہ امکان و عدم را
تا عدلِ تو شد علتِ امنیتِ دوران — در عہد تو امکان نہ پسند یدِ ستم را
از مہر تو تبدیل شدہ کینہ بالفت — پروردہ در آغوشِ نظر، گرگ غنم را
آن روز کہ فیضت در انوار کشادہ — از تربیتِ باطنی، اصنافِ امم را
قدسی نفسان با دلِ روشن نہ گرفتند — آئینۂ اسکندر و جامِ شہِ جم را

ز نقشِ بستنِ ہستیٔ او، قلم بخشید — طراز، صورتِ ایجادِ لوحِ امکان را
دمے کہ نامۂ اقبالِ او رقم گردید — بچشمِ خویش، قضا مہر کرد عنوان را
دمے کہ سایۂ کہسارِ حلمِ او افتند — دہد سکون چو زمین، آسمانِ گردان را

بخویش برد سکندر ز عالم فانی — بسینہ داغ تمنائے آب حیوان را
اگر ز چشمۂ مہرش کشیدے آب بقا — نمی گرفت بیک جرعہ، عالم جان را
بدرد را منیت او اگر خضر میزاد — چو گرد باد، نہ پیمودے، این بیابان را

حوادثاتِ زمانہ برداشت کرنیکی بھی حد ہوتی ہے۔ہجوم غم طاقتِ ضبط کو نذر آتش کر دیتا ہے۔ تو سردارِ دو عالم سے داد خواہ ہوتے ہین

دادرا! درجگرِ آصفیٔ خستہ درون — تا بکے حادثۂ غم، سرِ خنجر شکند؟
در محیطے کہ ز خونناب جگر موج زند — زورق رفتہ بگرداب دل لنگر شکند
چارۂ رنج دلِ خستہ، ز چرخ است محال — کہ بمہر اس ستم، صورتِ گوہر شکند
در دلِ خون شدۂ من بنود تا ثیرے — کہ بہ یزدے فغان گنبدِ بے در شکند
شحنۂ عدلِ تو، خواہم، کہ کند دادگری — دل پر کینۂ این چرخ ستمگر شکند
این سپہر ستیم، از مہر بادیے بردار! — کہ کلہ، گوشہ بادرچ شہ خاور شکند
پنجۂ بخت مرا نیروئے اقبال افزا! — کہ ہمہ سلسلۂ خوارئ اختر شکند
تا غزالان حرم را نبرد دام کمین — تا ز حسرت دلِ صیاد ستمگر شکند
چرخ ہر دام جفائے کہ نہد در راہم — نیروئے عدلِ تو ہر حلقۂ چنبر شکند

یہ خرمن مین سے چند دانے ہین۔انصاف کرو۔کیا صرف یہی چند اشعار حسان الہند ہونے کی سند نہین؟ ان سے جیسی والہانہ محبت وشوق کا اظہار ہوتا ہے وہ ابدی زندگی کا لازوال پروانہ ہے

آصفی اہل اللہ سے بہت محبت کرتے تھے اگر کسی کو اہل دل سے بے رخی پیش آتے دیکھتے۔تو ناراض ہوتے فرماتے ہین۔

کسے یا اہلِ دل گر آصفی الفت نمیدارد
یقین میدان کہ حیوانے بود در شکل انسانی

دنیائے اسلام عموماً، اور ہندوستان کے مسلمان خصوصاً، جس ذلت وخواری مین مبتلا ہین، خدا کی پناہ۔رہنمایانِ ملت کا خیال ہے۔کہ اس انحطاط کا سبب ترک اسلام ہے۔بجائے خود یہ خیال درست ہے۔لیکن حقیقت کچھ اور ہے رواسم مذہب کی قید سے ہمیشہ دنیائے آزادی حاصل کرنا چاہی ہے۔اور ہمیشہ مذہبی جماعت نے سہل پسند گروہ کی شکایت کی ہے پھر مسلمان کیون ترقی کرتے رہے۔کیا صرف دو صدی پیشتر بھی مسلمان ایسے ہی خوار تھے۔پھر کیون۔آصفی اس کی وجہ

بتاتے ہین

ننگ اسلام کہ از خواری دنیا شدہ ایم آصفی عزت دینی ز خدا می خواہیم

اور پھر خواری سے نجات پانے کا راستہ بھی بتاتے ہین۔

باز است بر رخ تو در میکدہ ہنوز ساقی صلا دہد بتو، جام شراب گیر
ساقیت گر ز ساغر صہبا کند دریغ در جام ذوق، خون جگر را شراب گیر

آصفی گر ہمہ شب خواب گران میداری چشم بیدار بہ ہنگام سحر می باید

بگذر از اوہام غفلت، صید مطلب را بگیر خواب صیادے، بود دیدہ ہائے دام تلخ

قدرتے ہست اگر، دست بگردان کوتاہ دامن مقصد کونین، بچنگ است این جا

مزاج بہت نازک تھا۔ معمولی سی بات بھی خلاف طبیعت پاتے تو برہم ہو جاتے۔ ایک بار دفتر مین افسر متعلق۔ نے کچھ خفگی کا اظہار کیا۔ مولانا ایسا موقع کہان آنے دیتے تھے۔ ہمیشہ اپنے فرائض خدمت تن دہی سے انجام دیتے۔ اس لئے ہر گز اس کے لئے تیار نہ تھے، کہ جا و بیجا نا رضامندی اٹھائین۔ چنانچہ انھون نے اس موقع پر بھی یہی کیا۔ حاکم کا دماغ بادۂ حکومت سے سرشار تھا۔ مولانا کے جواب پر برہم ہو گیا۔ اب آگے معاملہ ضبط کی حد سے گذر چکا تھا۔ آصفی نے فوراً پستول نکال لیا۔ بیچارہ نے بصد مشکل چھپ چھپا کر جان بچائی۔ اور معاملہ رفت گذشت ہوا۔ مولانا کو حیدرآباد مین خدمت کا پورا صلہ نملا۔ اس کی وجہ تقریباً یہی خود داری تھی۔ چاپلوسی اور خوشامد امراکو پسند آتی ہے۔ یہ اس سے کوسون دور تھے۔ چونکہ طبیعت غیور پائی تھی۔ اس لئے منت پذیری کو ناقابل عفو جرم خیال کرتے تھے فرماتے ہین۔

دانہ دانہ میکند خرمن بہ سعی خویشتن بار احسان سلیمان بر نتابد مور ما
چون مسیحا از سبکروحی بگردون رہ بریم اوج دارے، ننگ داند ہمت منصور ما

دماغ اہل جوہر منت منعم نہ برتابد نمی گیرد تری از آب، دریا معتز گوہر ما

نرفتہ ایم بدریوزہ بر در دیگر ہرانچہ داشتہ ایم، آصفی، خدا داد است

به پیشِ اربابِ جاه و دولت خجل نیم آصفی ز حاجت | ز شانِ همت، غنا ز دنیا، به طبع کرده کریم پیدا

آصفی از منتِ دهر می باشم سبک | بر دلِ بے مدعا از منتِ شان بار نیست

ز چرخِ سفله مکش ننگِ احتیاجِ سوال | که دستِ همت او کوته است و حوصله تنگ

تواضع اور ہمدردی کا مجسمہ تھے۔ کوئی ہم وطن جا پہنچتا۔ تو بڑی مدارات سے پیش آتے۔ حتی الامکان ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتے۔ اور حاجت روائی میں کبھی دریغ نہ ہوتا۔ دسترخوان ہمیشہ وسیع رہا۔ علامۂ محمد طیب مکی مرحوم بھی اتفاق سے حیدرآباد پہنچ گئے تھے۔ عربوں کی مہمان نوازی مشہور ہے مگر وہ بھی مولانا کے مہمان داری کے بدرجۂ غایت شکر گذار تھے۔

علو ہمت، صفائی باطن، اور تسلیم و رضا وغیرہ اوصاف کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ خوشامد اور چاپلوسی سے گریز کرتے۔ سگِ دنیا بنکر زندگی گزارنے پر موت کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

علو ہمت رسد بر پایگاہے آصفی از همتِ عالی | عروجِ پایۂ از پستی فطرت نمی باشد

آصفی از همتِ مردانه با ما یار باش | ما بجان و دل، فدائے همتِ مردانه ایم

صفائی قلب
بسکه پرداز گرفته ز صفا سینۂ ما | پاک از کلفتِ اغیار شد آئینۂ ما
آصفی صاف دلان رفع کدورت خواهند | در دلِ خویش، چو آئینه صفامی جویند

توکل
اے آصفی مخور غمِ روزی بعمرِ خویش | تا زندگی ست رزقِ خدا کم نمی شود

تسلیم و رضا
شادمانم کز کشا کشهائے خواهش فارغم | یک دلِ بے مدعا در روزگارم داده اند
در رهِ تسلیم، همچو آبله داریم سر | نیست غیر عجز دل، در سعی ل، مقدورِ ما

اے آصفی از جورِ فلک رنجه نباشی | زین شیوۂ تسلیم و رضائے، که تو داری

نیک نہادی کا یہ عالم تھا۔ کہ کبھی کسی کو نقصان نہ پہنچایا۔ ہمیشہ نفع رسانی کے لئے کوشاں رہتے خیر مجسم تھے۔ فرماتے ہیں۔

بدنه کردم به کسے آصفی از حیلۂ نفس | کار افتاد مرا گرچه به هر نیک و بدے

---

(۵) تذکرۂ کاملین رامپور ص۹ مؤلفہ حافظ احمد علی خان شوقی

"خودداری، فضل وکمال کا زیور ہے" لیکن خوددار اربابِ دولت سے کنارہ کش رہتا ہے۔ اس لئے فضل وکمال کے باوجود دنیوی جاہ ومرتبت سے بہرہ یاب نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلہ مین کم مایہ اپنی دونئی طبع سے کامیاب ہوجاتے ہین بجائے خودہی کچھ کم غم انگیز نہیں۔ پھر اس پرطرہ یہ۔ کہ تنگ ظرفی سے یہ لوگ مقابلہ پر آمادہ ہوجاتے ہین۔ یہ اہلِ فضل کے جراحتِ دل پر نمک پاشی کا کام کرتا ہے۔ ابتدأً صبر کرتے ہین۔ لیکن تابکے۔ آخرکار ناقدر شناسی سفلہ پروری، اور جوہر کشی کی شکایت کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلے پہل استعارات اور کنایات استعمال کئے جاتے ہین۔ لیکن جب کوئی کان ہی نہیں دھرتا تو کھلم کھلا مدعی کی قلعی کھولکر مقابلتہً اپنے ہنر نمایان کئے جاتے ہین۔ ظاہر بین اسے غرور وحسد خیال کرکے نکتہ چینی کرتے ہین لیکن علم النفس کے ماہر جانتے ہین۔ یہ غرور نہین، خودداری ہے۔ حسد نہین، رشک ہے۔ وشتّان مابینہما۔

چونکہ اکثر اہلِ علم کے سوانح حیات کا اہم ترین واقعہ ناقدرشناسی رہا ہے۔ اس لئے فخر یہ عام ہے۔ جس مین فیضی عرفی، اور غالب پیش پیش ہین۔ کہ وہ خودداری کی سلطنت کے خود مختار بادشاہ تھے

آصفی بھی صاحبِ فضل وکمال ہونے کے باعث انتہائی قدر ومنزلت کے مستحق تھے۔ لیکن زمانہ کی نامساعدت سے ابتداءً انھین بھی بہت کچھ دکھ اُٹھانا پڑے۔ پھر خدا خدا کرکے کچھ قدر ومنزلت ہوئی بھی تو ظرفِ بادہ خوار کا لحاظ نہ کیا گیا۔ نتیجۃً جاہل حریف کی حقیقت اور اپنے دنیائے کمال کی وسعت دکھانا لابد تھا۔ فرماتے ہین

چہ پرسی آصفی از بے مذاقی اندرین گلشن — بشاخے، زاغ نالد، عندلیبان توازن ہم

از شرمِ جاہلانِ سخن، آصفی، مپرس — چون رشحہ ہائے کلکِ سخندان فرو چکم

حیدرآباد کے کم مایہ شعرا کے متعلق، جو وہان کی فضا پر چھائے ہوئے تھے۔ فرماتے ہین۔

در دکن انجمنِ تازہ خیالان دیدم — شعرِ شان، مضحکۂ بزم، زنہدیان گردد
نے بود پایۂ علمی ونہ تعلیم سخن — نے بود طبع رسائے کہ سخن آن گردد
مبتذل شیوہ درین عہد بود، ذوقِ سخن — ننگِ عالم شود آن کس کہ سخندان گردد

قدر ناشناس کے متعلق فرمایا ہے

کارم بناکسانِ زمانہ فتادہ است — ہریک زجہل، دشمنِ عمرہ ہنر درست
قدرِ سخن نماندہ، نماندہ سخن شناس — خرمہرہ الیست، اگوہمہ ارزند گوہر است
یا سنگریزہ کس نہ پذیرد درین دیار — گو گوہرم بہ گوہرِ عمان برابر ست

رفت عہد شاعری و، وزنگارِ قدرِ شعر — جو نمی ارزد، کسے گر عرضِ حسّانی کند

واے بر شعرے کہ باشد در صفاتِ ابلہان واے بر نثرے کہ مدح اہل نادانی کند

اپنی تعریف نہایت پر معنی الفاظ مین کی ہے - اور حق یہ ہے کہ ذرہ بھر مبالغہ نہین

زاعجازِ سخن، اے آصفی، دارم مسیحائی خموشی را زبان بخشم، بہ ہنگام شنیدن ہا

آصفی گوہر شہوارِ معانی ایزد قلمِ با دم ریزش رگِ نیسانے ہست

بدریاے معانی، آصفی، آن ابرِ نیسانم نثارم رشحہ از خامہ و شکلِ گہر بندد

آصفی در شوکت آبادِ سخن تکیہ بر تختِ سلیمان کردہ

بعد میر عثمان علی خان از سخن سنجی چو ایران گرمیٔ گفتار در ملکِ دکن دارم

آصفی ملکِ سخن زیرِ نگین طبع است دل ندارد ہوس ملکِ سلیمان از من

ز نیرنگِ خیالم، آصفی، طاوسِ من کلک است دو صد آئینہ می آراید از نقشِ پر و بلے

مرحوم نظام کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا ہے - تعریف کرتے کرتے، قلم رکتا ہے، اور لکھ دیتا ہے -

امروز منم عرفیٔ عہدِ تو، غلط نیست از ملکِ دکن فخر بود ملکِ عجم را
زان دولت و اجلال نماندہ ست خلائے آوازہ بلند است مگر جاہ و حشم را
دارم طمع از نسبتِ ذاتِ تو بماند ہر صفحہ جاوید، نشان حرف و رقم را

دوسرے قصیدہ مین علی الاعلان پکار اُٹھے ہین، کہ

بہ بزم چون تو سلطانے بناید یک سخندانے چو بندہ معجز الحانے، چہ در نظم و چہ در انشا

چو عزم مدح تو سازم، شود براوج پروازم عطارد وار اندازم بچرخ آوازہ از معنی

صدف آسا وہان دارم، ز درج تو گہر بارم ز معنی ہائے بسیارم، با برآذری مانا

بکشور ہر زمان آور، بود گو اختر انور نماید از سہا کم تر، منم چون نیر بیضا

سخن جامے ست در دستم، ز اوصاف تو سرمستم ہمانا آصفی ہستم، بعہد آصف یکتا

حب وطن ایمان کی نشانی ہے۔ آصفی کو بھی وطن محبوب تھا۔ گو ناقدردانی نے حیدرآباد جا بسایا۔ مگر وہان کی قدر و منزلت اس صحبت کو نفرت سے نہ بدل سکی۔ آخر کار کہنا پڑا کہ

دل در بر غربت زدہ آسودہ نماند یارب چہ بود جذبہ پنہان خاکِ وطن را

اور کہ

شوقِ سفر آوارہ کند لیک چو سوزن بپیچد و بیا، رشتہ حب وطن ما

آصفی کو رامپور کی ہر شے اچھی معلوم ہوتی تھی۔ بستی یہان کی اچھی تھی۔ دوست احباب یہان کے اچھے تھے۔ اور حق بھی یہی ہے۔ کہ بھلے کیون نہ معلوم ہوتے۔ وطن تھا۔ یہان کی دوستی بے غرض دشمنی بے ضرر، شناسائی مفید، اور اجنبیت منفعت رسان تھی، امیر مینائیؒ گو وطناً لکھنوی تھے۔ لیکن ملازمت کے سلسلہ مین ایک عرصہ تک رامپور رہچکے تھے۔ علاوہ ازین خلد آشیان کے استاد تھے اسلئے سارا شہر (اور کسی لئے نہین، تو) سرکار کا استاد بھائی بننے کے لئے شاگرد ہو گیا۔ جس نے رامپور سے موصوف کا زیادہ گہرا اور پائدار تعلق قائم کر دیا تھا۔ رامپور کی بزم منتشر ہو جانے کے بعد، حضور نظام غفر اللہ لہ کے بلاوے پر جب امیر مرحوم حیدرآباد تشریف لیگئے، تو آصفی وہان موجود تھے۔ امیر کی تشریف آوری کی خبر نے یونتو تمام حیدرآباد کو چشم براہ کر رکھا تھا۔ لیکن اتفاق سے منتظرین میں سے وطنی تعلق والا کوئی بھی نہ تھا۔ ہزار ہا آدمیون کے مجمع مین سے صرف دو آدمی سب سے پہلے آگے بڑھے، اور عقیدت کے ہونٹ علم و شعر کے ہاتھون سے مس کئے۔ وہ دونون کون تھے۔ ایک مینائی مرحوم کے شاگرد پنڈت رتن ناتھ سرشار صاحب فسانہ آزاد اور دوسرے عبد الجبار خان آصفی نظامی رامپوری چنانچہ خاندان و متعلقات جناب امیر مینائیؒ پر جو کچھ احسانات ہین۔ بقول طاہر صاحب مجددی آصفی کے جذبہ حب وطن ہی کا نتیجہ ہین اگر جناب جلیل کو بھی رامپور سے تعلق ہوتا تو آج آفتاب کی سی ضیا گستری، اور ماہتاب کی سی قبولیت نہ پاتے۔

آصفی اکثر رامپور آتے۔ اور کئی کئی ماہ یہان قیام کرتے۔ ایک مرتبہ جنرل عظیم الدین خان مرحوم مدار المہام ریاست نے مستقل اقامت اختیار کرنے کی دعوت دی تھی، مولانا حیدرآباد کی قدر و منزلت کے خوگر ہو چکے تھے۔ جواباً ایک قصیدہ

لہ سوانح امیر مینائی صفحہ۔ مولفہ نواب فصاحت جنگ حضرت جلیل جانشین جناب امیر مینائی مرحوم

لکھکر یہ لطائف الحیل معاملہ کو رفت و گذشت کیا۔ قصیدہ مین رامپور کی مختصر تاریخ، اور جوانانِ رامپور کی تعریف و توصیف ہے۔ ہر ہر شعر سے محبت ٹپکتی ہے۔ فرماتے ہین

گرچہ وضع رامپور از دل نشین ہیئت نہ بود ۔۔۔ لیک دل کش بود وضع و سیرتِ جملہ رجال
از جلادت و ز تہور و ز شجاعت در جہان ۔۔۔ بود ہر یک نامور بر خوئی و طبع پور زال
جملہ در پیکار و کین جستن ببانِ نرہ شیر ۔۔۔ می شمر دندے عدوئے پیلتن را چون شغال
از حیا و مردمی و شیوۂ خلقِ حسن ۔۔۔ بود خالی جائے شان در محفلِ عز و جلال
آن قدر میدا شتندے از محارم اجتناب ۔۔۔ می نمودندے بارباب مناہی صد نکال
اتباع سنتِ پیغمبر و اصحاب دین ۔۔۔ فطرۃً بودہ بفرمانِ خدائے ذوالجلال
شہرتِ ایشان بہر کشور ز نام نیک رفت ۔۔۔ خوبیٔ شان نقش بستہ در دل و طبعِ رجال

جنرل صاحب سے خطاب کرتے ہین

اے جہانِ مردمی و عالمِ ہوش و خرد ۔۔۔ انچہ فرمودی رقم با بندہ از فیض و نوال
شکر این اسکاف بیرون ست ز امکانِ خرد ۔۔۔ شکر این احسان زبانِ عقل من واند محال
در دکن عیش مہنا آن چنان دارم کہ نیست ۔۔۔ در وطن امکانِ آن در عالمِ وہم و خیال
سر بگردون میرسد از عزتِ قدرِ ہنر ۔۔۔ از نشانِ مسندی استغنا، نہ از وضعِ سوال
گرچہ دورم لیک نزدیکی بہ اخلاصم بود ۔۔۔ از دکن تا رامپورم خطرہ باشد در خیال
مصلحت نبود کہ خواہم خدمتے من در وطن ۔۔۔ در دکن بر خدمتم چون رفت چندین ماہ و سال

بقولِ علامہ شبلیؒ حسد اور تنگ نظری شعرا کا خاصہ ہے پوری تاریخ شعر و شاعری مین گنتی کے آدمی مستثنیٰ نکلتے ہین مگر سوادِ اعظم کے برخلاف، آصفی اپنے معاصرین سے محبت، خلوص، اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے۔ بہ خندہ پیشانی ملتے۔ بہ نرمی والفت گفتگو کرتے، ان کے مصرعون پر غزلین لکھتے۔ اور مقطعون مین سراہتے۔ کئی جگہ اپنے ہم وطن اور مخلص دوست بیخود رامپوری کا بھی ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہین

کلامِ بیخود ما، آصفی چندان بود دلکش ۔۔۔ کہ تحسین بیخود از طبعِ سخن سنجان برون آید
بصہبائے مذاقِ شعر بیخود آصفی مستم ۔۔۔ زہر لفظش بکامِ دل، شرابِ ناب می آید

علامہ شبلی دکن تشریف لے گئے ہین۔ مولانا سے بھی راہ و رسم ہے۔ علامہ موصوف کی مدح مین قصیدہ لکھا ہے۔ اور دوستی و محبت کا حق ادا کیا ہے۔ فرماتے ہین

مژدہ یاران بدکن تازہ بہاران آمد　　بخت گلریز و طرب خیز و گل افشان آمد
آمدہ شبلیؒ علامہ سوئے ملکِ دکن　　یا کہ از علم و حِکَم خطۂ یونان آمد
ذرہ ذرہ شود از نورِ کمالش روشن　　آفتابے بسوئے خاک نشینان آمد
غافلان گر ہوسِ فطرتِ روشن دارید　　اینک آن روشنیٔ فطرتِ انسان آمد
گوہر حکمتِ یونان بفشاند بہ دکن　　آن فلاطونِ گران کیسہ زیونان آمد
فیلسوفے ست کہ از فرّۂ رائے عالی　　افتخارِ ابد از وے بہ حکیمان آمد
بہرِ سنجیدنِ آرائے حکیمانِ سلف　　پلۂ دانش او پلۂ میزان آمد
جائے زاغ و زغن امروز نباشد بدکن　　عندلیبِ چمنِ ذوق، غزلخوان آمد
منطق و فلسفہ را پایۂ دیگر بنہاد　　شیخ و فارابی ازان در صفِ ماجان آمد
از فصاحت چو فصیحانِ عرب حرف زند　　وز بلاغت سخن، ثانیٔ سحبان آمد

ایک بار آصفی رامپور آئے، تو ان کے مخلص دوست جناب احمد علی خان صاحب بیخود نے، اس تقریب مین، ایک فارسی بزم مشاعرہ کے انعقاد کا اعلان کیا۔ اس زمانہ مین یہان ایک ایرانی آغا سنجر نامی مقیم تھا۔ یہ شخص اہل زبان ہی تھا جید شاعر بھی تھا۔ صاحب مشاعرہ نے اسے بھی مدعو کیا۔ وہ مولانا کی شہرت سُن چکا تھا۔ غلط فہمی سے اسکو مقابلہ کا اعلان سمجھکر شرکت سے انکار کردیا۔ مولانا کو خبر ہوئی، تو بہت تاسف کیا اور بیخود کو ہمراہ لیکر خود قیام گاہ پر پہنچے۔ رسمی گفتگو کے بعد حرفِ مطلب زبان پر لائے، اور کنایۃً یہ امر واضح کردیا کہ اس بزم کا مقصد صرف یہ ہے، کہ چند لمحے یارانِ نجد کی خوش آیند صحبت مین گذر جائین، اور بس۔ مقابلہ مقصود نہین۔ آغا سنجر نے شرکت کا وعدہ تو کرلیا۔ مگر پھر بھی غزل نہین پڑھی مولانا کی حساس طبیعت نے اس سے بہت اثر لیا

آصفی جسیم، توانا اور قوی الجثہ تھے خدا نے حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت سے بھی مالامال کیا تھا آب و ہوا نا موافق تھی۔ عمر کا آخری حصہ شکایات ہی مین گذرا قلب کمزور ہو گیا تھا۔ اختلاج کا بہت زور رہتا۔ کئی بار دہلی تشریف لائے اور مسیح دوران حکیم دراصل خان اور مسیح الملک حکیم اجمل خان رحمہا اللہ سے رجوع کیا۔ مگر بے سود۔ حکیم واصل خان کی تعریف مین قصیدہ لکھا ہے۔ خاتمہ مین فرماتے ہین

اے حکیم علتِ جانہائے اربابِ حکم　　برکمالت نسخۂ شافیٔ تو برہان بود
بازوئے شیرانۂ من از عوارض گرد پست　　آسمان را گر بہ صد رنج در انبان بود
پیش ازین گنج حقایق بود، اکنون از ہجوم　　سینۂ من جائگاہ یک دلِ ویران بود
از عوارض جسم تعلیمی درین ملکِ دکن　　تختۂ مشقِ طبیبانِ جہان چندان بود

از سراپایش اگر بینند ارباب نظر　　نیست ممکن نقطۂ صحت در دگنجان بود

دوسرے قصیدہ مین مسیح الملک سے خطاب کرتے ہین

ویا اے عیسی دوران، کہ لطفِ تو بود درمان　　چہ درمانے کہ بخشد جان، چو جانِ خضر پیغمبر
دلے دارم چو گوہر موج خیزِ شانِ استغنا　　نہ پیچیدہ ہوایم از گدامی آرزو یکسر
ولے از ضعفِ قلب وہم ز بیماری گوناگون　　تنم فرسودہ، جان کاہیدہ مغزم خشک تشدیکسر

ضرورتِ زمانہ نے آصفی سے امرا کی مدح کرائی، لیکن خودداری و استغنا نے کہین دامن نچھوڑا، اپنی آن ہر جگہ قائم رکھی اور عام شعرا کی طرح دریوزہ گری سے پرہیز کیا۔ فرماتے ہین

این زبان از رگِ اندیشہ جو ابر نیسان　　می فشانم بمدیح تو گزیدہ گوہر
صلۂ شعر نخواہم، کہ گدائی باشد　　بتبدل شیوہ شناسم کہ بود ننگِ ہنر
صلۂ خاصِ مناصب کہ ز شاہان باشد　　بہر اصحابِ علوم ست، ہما نا درخور
می شناسی کہ بود پایگۂ علم رفیع　　منصبِ علم شد از جملہ مناصب برتر
لیک از خواہشِ این بندہ نباشد زر و سیم　　کردہ است از صلۂ عامِ عطا قطع نظر

چونکہ آصفی کبھی کسی کے دست نگر نہین ہوئے۔ اس لئے عرفی کی طرح مدحیہ قصائد مین خودستائی سے باز نہین رہتے نواب سرور الملک بہادر معتمد پیشی کی مدح کرتے کرتے، فرماتے ہین

داورا از گہر افشانیٔ معنی چو سحاب　　بمدیحت قلمِ من گہر آما بینند
نیستم شاعرِ دریوزہ گرِ قلزم و کان　　از معانی بد لم معدن و دریا بینند
می توانم کہ بہر شیوہ زبان بگشایم　　تا مرا اہلِ سخن شیوہ شناسا بینند
نامۂ را کہ طرازد قلم از ایجاز　　از مطالب ہمہ مجموعۂ انشا بینند
طفلِ نطقم کہ ز روح القدس آمد بوجود　　نفسِ معجزِ او چون دمِ عیسی بینند
قلمِ دعویٔ من، در کفِ اعجاز، عصا ست　　کہ بمیدانِ فسون در کفِ موسی بینند

نالائقون کو کرسیٔ امارت پر متمکن دیکھکر ضبط نہین کر سکتے آج سے چند سو سال پیشتر حافظ نے کہا تھا

اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالان　　طوقِ زرین ہمہ در گردنِ خر می بینم
ابلہان را ہمہ شربت ز گلاب و قند است　　قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

آصفی بھی حیران ہین۔ کہ گدھے کس طرح عالی مرتبہ ہو گئے۔ نواب وقار الملک مرحوم کی مدح مین ایک قصیدہ تحریر کیا ہے۔ خاتمہ مین زمانہ کی سفلہ پروری اور کمینہ نوازی کی شکایت مین فرماتے ہین

میکنم اندیشہ در احوالِ عمالِ دکن | ہیچ سر آن نمی گردد بدانش آشکار
این قدر دانم کہ بہر عبرتِ اہلِ خرد | ناکسان را پایگاہے مید ہد پروردگار
شکلِ انسانند لیکن زادہ ست خارجند | سیرتِ نسناس میدارند دیو زینہ شعار
از ستیزِ طبع بر خیزند با چنگال وناب | سخت آویزند باہم چون سگانِ جیفہ خوار

رامپور مین محلہ لال قبر پر بزرگون کے مکانات تھے۔ حیدر آباد مین ۴۵ سال تک محلہ مغلپورہ مین سکونت رہی۔ تمام مکانات ذاتی تھے

ملازمت

غالباً سب سے پہلے آصفی کا تقرر کرنل نواب افسر الملک کمانڈر انچیف افواج باقاعدہ سرکار عالی کے برگیڈ آفس مین میر منشی کی حیثیت سے ہوا تھا۔ اس کے بعد کرنل مارشل صاحب سیکریٹری سرکار نظام کے دفتر مین دو سال سررشتہ دار رہے۔ یہان سے دفتر معتمد صرف خاص مین تبادلہ ہو گیا۔ اور نواب آصف نواز الملک کے ماتحتی مین پانچ سال تک کام کیا دو سال تک نواب سرور جنگ معتمد پیشی سرکار نظام کے دفتر مین سررشتہ دار رہے۔ سرور جنگ بہادر کے بعد، مولوی احمد حسین صاحب بی۔اے، ایل۔ایل، بی کی خدمت مین آٹھ دس سال تک رہے، یہ غفران مکان نواب میر محبوب علیخان فرماندہِ دکن کے پیشکار تھے۔ ان کے عہدے بدلتے رہے۔ کبھی پرسنل سیکریٹری رہے۔ کبھی انڈر سیکریٹری ہوے، اور اخیر مین صدر المہام پیشی نواب میر عثمان علیخان بہادر فرمان روائے حیدر آباد ہو گئے تھے

یہان دس سال خدمت کرنیکے بعد غفران مکان کے عہد مین، صدر محاسبی صرف خاص مین منتظمی کا کام انجام دینے لگے۔ ڈیڑھ سال کے بعد، محکمہ معتمدی صرفِ خاص مین لے لئے گئے۔ اسوقت رائے مرلی دھر بہادر صدر المہام تھے یہ محکمہ معتمدی وصدر المہامی مین منتظم بنا دیئے گئے۔ حافظ احمد علی خان صاحب کو لکھا ہے

"نہایت فارغ البالی سے زندگی بسر کر رہا ہون والحمد للہ علی کل حال"

یہ خط ۱۳۳۴ ہجری مین لکھا ہے۔ اس کے بعد تقریباً دس سال مولانا نے اور خدمت کی۔ درمیان مین جن جن حکام سے تعلق رہا۔ انکا پتہ نہ چل سکا۔ لیکن مولانا کے نواسے مجبی نواب غیر خان صاحب فرماتے تھے کہ آخر مین مددگار معتمد صرف خاص شاہی ہو گئے تھے

مولانا کو ماہ ۵۰ روپیہ منصب کے اور للعماص ۵۰ روپیہ دفتر سے ملتے تھے

(باقی)

خان امتیاز علی عرشی (رام پور)

پریم کی پیاسی

"عورت کا ضمیر "شرم" اور "محبت" ہے، مگر جب "محبت" "شرم" پر غالب آجاتی ہے تو عورت صرف "محبت" ہو کر رہ جاتی ہے"

(نطشے)

مین نے نیٹشے کا یہ قول پڑھا، تو مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ میرے سامنے مشرقی حسن و عشق کے افسانے اپنی پوری قوت کے ساتھ ظاہر ہونے لگے، جن کا عنوان "محبت" مگر انجام یا مصیبت یا ہلاکت ہے، ایک مشرق ہی کیا، مصر و نجد یونان اور ایران کے اسٹیج پر جو ڈرامے "عورت" نے کھیلے اُن سب مین اُسکی ہلاکت آفرین اعتنائی جھلک رہی تھی، مین حیران تھا کہ جب عورت صرف "شرم" اور "پریم" سے بنی ہے تو اُسکی فطرت اُسکا ثبوت کیون نہین دیتی؟ —— کیا اسلئے کہ "عشق" اپنی نیاز مندیون سے اُسے مغرور بنا دیتا ہے؟ یا اس لئے کہ "شرم" "محبت" پر غالب نہین آتی ہے!

بہر حال مینے سوچ لیا کہ مین عورت کی اس "فطرت" کا امتحان لونگا، مین اپنی بے اعتنائی اور بے التفاتی سے اُسکے سازِ محبت کو چھیڑونگا، اسکی شرم کو اپنی نگاہون کے تکلف سے تکلیف دون گا، اور اُسکی لطیف قوتون کو اپنی مردانہ قوتون سے اسقدر پریشان کردونگا، کہ وہ گھبرا کر اپنی فطرت کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جائے!

مین بظاہر ایک منحنی جسم کا دبلا پتلا انسان تھا، نہ میری آنکھون مین جاذبیت تھی نہ میرے ہونٹون مین کوئی کشش تھی، نہ مجھے باتین بنانی آتی تھین، نہ مین فیشن اور آراستگی کا متوالا تھا —— میرا لباس صرف موسمی ضرورتون کے ماتحت سرد اور گرم ہوتا تھا، مین لباس کی ریاکارانہ نمائش کو ایک بدترین گناہ سمجھتا تھا —— مگر مجھے یقین تھا کہ میری شادی دہین ہوگی، جہان مین چاہتا ہون، مین رادھا کی فطرت سے واقف ہون وہ ایک ایماندار ضمیر والی لڑکی ہے، مگر اُسکی "شرم" کی داستانین تمام شہر مین مشہور ہین، اگر واقعی اُس مین شرم کا عنصر زیادہ ہے، تو یقیناً اُسکی محبت دبی ہوئی ہوگی، وہ مجھے محبت کا کوئی ثبوت نہین دے سکتی، مگر مین اسکی شرم کو جھنجھوڑ دون گا، اور اتنا جھنجھوڑ دون گا کہ آخر اُسکی محبت اُبھر آئیگی! لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو پھر سمجھ لون گا کہ مغربی شعرا کے اقوال یا تو صرف مہمل ہوتے ہین یا اُنکا محلِ وقوع صرف مغرب تک محدود ہے

میری شادی کے دن قریب آنے لگے، مجھے رادھا سے محبت تھی، وہ بڑی پیاری لڑکی تھی گرمی کے دنون مین جب وہ مدرسہ جایا کرتی تھی تو مین اُسکو دیر تک دیکھا کرتا تھا اُسکی آنکھین کبھی اوپر نہ اُٹھتی تھین، اور اُسکی دراز پلکین ہمیشہ اُسکے روشن رخسارون کیطرف مائل رہتی تھین، وہ اُسکی لمبی اور گھنی چوٹی، .... سرخ ہونٹھ، جن پر

ہر دیکھنے والے کو مسکرانے کا گمان ہوتا تھا! مین خوش نصیب تھا! کیونکہ میری شادی میری مرضی کے مطابق ہو گئی تھی!۔۔!

مگر رادھا کی عارضی بدنصیبی اکثر میرا دل دُکھا دیتی تھی، اسلئے کہ مین اُسکی محبت کا امتحان لینے والا تھا، مین اُسے آزمانا چاہتا تھا، اور مین اُسکے ساتھ وہ سلوک کرنا چاہتا تھا جو ایک حسن پسند کو کبھی نہ کرنا چاہئے۔ مگر مین اپنے ارادہ سے مجبور سا ہو گیا تھا، اور میرے دل مین یہ شبہ ذراسی دیر کے لئے بھی پیدا نہ ہوتا تھا کہ مین اپنے ارادۂ امتحان سے باز آجاؤن گا!

(۲)

آخر میری شادی ہوئی، اور رادھا ہی سے ہوئی، رادھا کو معلوم نہ تھا کہ مین اُسے آزماؤنگا، اسلئے وہ اپنی محبت کو چھپانے کی کوشش کرتی رہی، اور مین اُسکی محبت کو اُبھارنے کی دھن مین لگا رہا!

مین بہت سویرے گھر سے نکل جاتا، میرے والدین جانتے تھے کہ میرے ذمہ بہت سے کام ہین، اور مین انہین انجام دینے کے لئے مجبور ہون، اسلئے وہ میری نقل و حرکت مین کبھی مزاحم نہ ہوتے تھے، مین اکثر کھانا بھی باہر ہی کھا لیتا تھا گو مجھے اس مین ایک طرح کی تکلیف ہوتی تھی، شام کو جب سب سو جاتے، رادھا بھی سو جاتی تو مین گھر آتا، خاموشی سے اپنے کپڑے اُتار کر مطالعہ کے بعد سو جاتا، رادھا میرے انتظار مین سو جاتی تھی، اور مین اُسکے سو جانے کے انتظار مین بہت رات تک جاگتا رہتا تھا!

کبھی کبھی وہ مجھے جاگتی ہوئی بھی ملی، ایسے موقع پر مین کسی ایسے ضروری کام مین مصروف ہو جاتا کہ وہ سو جاتی اُسے ہمیشہ میرے طرز عمل سے شکایت رہتی ہوگی مگر مین مجبور تھا، اُسکی محبت کو جگانا چاہتا تھا، اور مجھے اُسکا امتحان لینا مقصود تھا! جب کبھی وہ میرے گھر آنے سے پہلے سو جاتی تو اُسکی آنکھ صبح سے پہلے کھلتی، اور مین اُٹھتا تو دیکھتا کہ وہ میرے ناشگفتہ چہرے، اور خواب آلود آنکھون پر اپنی نظرین جمائے ہوئے میرے پلنگ کے پاس کھڑی ہے، اُسکی چتون مین اسوقت ایک قسم کی ندامت ہوتی تھی، اور اُسے یہ خیال بہت تکلیف دیتا تھا کہ "رات کو مین' اُن کے آنے سے پہلے سو گئی، شاید وہ مجھ سے کچھ کہتے، اور شاید میری اُنکی بے تکلفی کی پہلی رات ہوتی"۔۔۔۔ اُسکا ضمیر اُسے دہوکا دیتا تھا کہ غالبًا جلدی سو جانے کے سبب یہ ساری خفگی ہے، مگر اُسے یہ راز اینک معلوم نہ تھا کہ مین اُسکی محبت کو آزمانا چاہتا ہون!

(۳)

دو مہینے گذر گئے" اس عرصہ مین مین اُس سے بہت کم مخاطب ہوا، اور میرے کسی طرز عمل سے وہ یقین نہ کر سکی کہ مین اُس سے محبت کرتا ہون، اب اُسکے دل مین ایک خلش پیدا ہو گئی، اُسکی طبیعت مین بدگمانیان پیدا ہونے لگین، بملا جو میرے گھر کے پاس رہتی تھی اکثر اُسکے پاس آیا جایا کرتی تھی، اور دونون گھنٹون بیٹھی ہوئی گفتگو کیا کرتی تھین

آج بملا آئی تو رادھا غمگین تھی، بملا نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیون رادھا! آج اداس کیون ہو، بھانو پرکاش نے کوئی تکلیف تو نہین دی؟"

رادھا "وہ بہت شریف نوجوان ہین، گو انکی غیر معمولی خاموشی مجھے انکی طرف سے بدگمان رکھتی ہے، مگر مین سمجھتی ہون کہ یہ انکی "فطرت" ہے اور میری بدگمانی بےکار ہے"

بملا "ہان مجھے اچھی طرح معلوم ہے، وہ ہمیشہ خاموش رہتے ہین، اور بہت کم گفتگو کرتے ہین، تمھین انکی خاموشی سے بدگمان نہ ہونا چاہیے!"

رادھا "لیکن بہن بملا! —— ان کی محبت بھی انھین کی طرح خاموش ہے، اگر وہ کسی سے زیادہ بول نہین سکتے تو کیا محبت بھی نہین کر سکتے؟"

بملا "جہان تک مجھے معلوم ہے، بھانو پرکاش مین "محبت کا" جذبہ سب سے زیادہ ہے وہ ایک علمی و ادبی ذوق کے نوجوان ہین، کیا تم نے انکی نظمین اور مضامین نہین پڑھے؟ جن مین داستان محبت کے سوا اور کچھ نہین ہوتا"

رادھا "لیکن مین ابتک انکی محبت سے ناآشنا ہون"

بملا "اسکا کوئی سبب ہو گا —— مینے انکا ایک افسانہ پڑھا تھا، انکے خیالات اس افسانے سے معلوم ہو جاتے ہین، اگر تم پڑھو تو بھیج دون"

رادھا "مین انکا افسانہ کیا پڑھونگی، خود انھین کو پڑھ رہی ہون، مگر میرا سبق بہت مشکل ہے، دو مہینے ہو گئے اور ہنوز عنوان تک سمجھ مین نہین آتا"

بملا "انکے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت مین شعریت تلاش کرتے ہین"

رادھا "مگر مین شاعر تو نہین ہون"

بملا "نہ سہی —— شعریت کے لئے شاعر ہونا ضروری نہین، خیال کی رنگینی شرط ہے"

رادھا "آخر مین کیا کرون؟"

بملا "تم انکے مضامین دیکھ ڈالو، آجتک انھون نے جو کچھ لکھا ہے، سب پڑھ لو، بس تمھین اندازہ ہو جائیگا کہ وہ کیا چاہتے ہین، اور ان پر کس بات کا اثر ہو سکتا ہے"

رادھا "اچھا مین ایسا کرون گی، اگر یہ بات مجھے پہلے سے معلوم ہوتی تو شاید مجھے انکی محبت اور التفات کے لئے اسقدر انتظار نہ کرنا پڑتا!

(۴)

رادھا نے دس دن نہایت خاموشی سے گذار دیئے، اس عرصہ مین اس نے میرادہ تمام لٹریچر پڑھ ڈالا جو میرے

قلم سے نکلا تھا، وہ میرے تمام مضا مین پر عبور کر گئی، اور اُس نے میری فطرت کو میری تحریر اور میرے خیالات سے اچھی طرح معلوم کیا، ایک دن جب وہ میکہ سے آئی، اور مین باہر سے گھر لوٹا تو مجھے اپنے کمرہ کے باہر ایک زندگی سی نظر آنےلگی کمرہ بے حد روشن اور معطر تھا مین ابھی باہر تھا ——— مگر میری روح مجبور کر رہی تھی، کہ مین کس طرح کمرہ کے اندر پہونچ جاؤن، تاہم مین نے ضبط سے کام لیا، ۱۲ بج چکے تھے مین نے باہر سے دیکھا کہ کمرہ بہت آراستہ ہے اور رادھا فرش پر بیٹھی ہے دروازے بند ہین، رادھا کی نازک انگلیان ہارمونیم کے پردون کو مس کر رہی ہین رات کے سناٹے مین ہارمونیم کی رسیلی آواز عطر سہاگ مین بھیگی ہوئی پوری آزادی سے گونج رہی ہے اور رادھا گا رہی ہے:-

منا لارے بھونرا سیان کو مورے!
جاگ جاگ کے رتیان کاٹین — نیر جا کہ ندیان پاٹین
بیان پردن مین تورے — منا لارے بھونرے!

رادھا کی ہر رسیلی تان پر جی چاہتا تھا کہ پروانہ کی طرح اُڑ کر اُس مین جذب ہو جاؤن مگر مین ضبط سے کام لے رہا تھا، میرے دل مین مسرت اور خوشی کے سمندر موجین لے رہے تھے، مجھے یقین ہو گیا تھا کہ رادھا میری ہم مذاق ہے رادھا کو مجھ سے محبت ہے، اور اب مین کسی حیلے سے بھی اُسے بے نیازی اور لاپروائی کا ثبوت نہین دے سکتا!

رادھا کی آواز پھر گونجی ——— اُس نے پھر اپنی بجلی چمکانے والی آنکھون سے دروازہ کی طرف دیکھا، اور اور اپنی ٹھنڈی سانس کو اپنی گرم آواز مین سمو کر نہایت درد بھرے ہوئے لہجہ مین گایا:-

منا لارے بھونرے سیان کو مورے

اُسکی ہر ادا پر میرا ضبط کمزور ہوتا چلا جاتا تھا، مین اپنی گذشتہ لاپروائیون کو یاد کر کر کے پشیمان تھا، اور سوچتا تھا کہ ساز و آواز کے اس محشر مین جو رادھا کی رعنائیون نے آج برپا کیا ہے اکس طرح باریاب ہو جاؤن، کمرہ میرا تھا، گھر میرا تھا، مگر مجھ پر پشیمانی کی ایک ایسی حالت طاری تھی کہ مین جب دروازہ مین داخل ہونے کے لئے قدم بڑھاتا تھا تو مجھ پر ایک خوف طاری ہو جاتا تھا ——— مین لرز جاتا تھا۔ اور مجھے ٹھٹکنا پڑتا تھا، آج گھر مین اتفاق سے کوئی نہ تھا، خیر والدین ایک شادی مین لاہور گئے ہوئے تھے، اور گھر مین سوائے رادھا دیوی کے کوئی نہ تھا!

مین نے پھر ہمت کر کے قدم بڑھایا، اور ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولنا چاہا تو یکایک رادھا کی درد بھری تان پھر گونجی، پھر ایک شاعرانہ نغمہ کمرہ کی منور فضا مین گونجنے لگا:-

سیان کے کارن بن جاؤن جوگن — سیان کے اپنے کرلون مین درشن
گھڑی رہون کر جورے ——— منا لارے بھونرے!!

مین پھر ٹھٹک گیا، سوز و ساز کی پوری قوتون سے رادھا کے نغمون نے براہ راست میرے دردمند دل پر

اثر کیا، مین اسکی ہر آواز پر کانپ، کانپ جاتا تھا، مجھے اپنے ضبط کی قوتین بیکار اور کمزور نظر آنے لگین، مجھ سے صبر نہ ہو سکا، اور مین دروازہ کھولکر اندر پہونچ گیا!

رادھا کی مسکراتی ہوئی آنکھون نے میرا خیر مقدم کیا، اسکی جوانی کی خوشبو نے مجھ پر ایسا حملہ کیا کہ میرے ہوش وحواس گم ہوگئے، وہ ہارمونیم چھوڑکر ایکدم کھڑی ہوگئی، اُسکی آنکھون سے مستی اور جوانی کی شعاعین نکل رہی تھین، اُسکے لمبے اور کالے بالون سے خوشبو برس رہی تھی! مین حسب معمول اپنے پلنگ کی طرف نہ جا سکا، اور خاموشی کے ساتھ ہارمونیم کے پاس بیٹھ گیا، رادھا نے نڈر ہو کر دروازہ بند کر دیا، اور غالباً اس انتظار مین کھڑی ہوگئی کہ مین اس سے بیٹھنے یا ہارمونیم چھیڑنے کے لئے کہون گا، رادھا اسوقت خوبصورتی کے اُس عالم مین تھی جب دیکھنے والیکو حسن کی ہزارون دیویان، اور جنت کی لاکھون حورین رقص کرتی نظر آتی ہیں۔ میرے لئے بہت مشکل تھا کہ مین خاموش بیٹھا رہون، مگر مجھے اپنا عہد یاد آگیا، ساتھ ہی ساتھ میرے دل نے مجھ سے کہا کہ "اب عہد کیسا، رادھا کی محبت اپنے پورے جوش کے ساتھ متحرک ہو چکی ہے اب کسی قسم کے عہد کو قائم رکھنا اپنی بیوقوفی کا ثبوت دینا ہے"۔۔۔ "ہولی مین "صرف چھ دن باقی تھے" مینے کہا یہ چھ دن اور گزر جانے دو، اسکے بعد دیکھا جائیگا مین رادھا کی محبت سے ہولی کھیلنا چاہتا ہون، رادھا اپنے امتحان مین پوری اُتر رہی ہے، لیکن مین ابھی اُسے اور ستانا چاہتا ہون!

جب اُسکی آواز نہ آنے سے کمرہ مین خاموشی طاری ہوگئی، تو پھر جو جادو ہو چکا تھا، اسکا اثر ختم ہونے لگا مین سنبھلا، مینے کمرہ کی فضا پر چارون طرف گہری نظر ڈالی، کمرہ کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو مجھے خاموش ہو کر سو جانے کی دعوت دیتا آج مجھے اپنے پلنگ پر، اپنی کرسی پر، اور اپنی ہر چیز پر رادھا بیٹھی ہوئی نظر آرہی تھی، میرے لئے کمرہ مین کوئی جگہ خالی نہ تھی، مجھے پھر وحشت ہوئی، میرا دل گھبرایا، میرے ضبط نے پھر جواب دینا چاہا، مین نے پھر کمرہ کو دیکھا، اور دیکھا کہ رادھا کھڑی ہوئی میری طرف تبسم کے تیر پھینک رہی ہے اور کیوپڈ ہر تیر پر بیٹھا ہوا مسکرا رہا ہے!

"اب رات بہت آگئی ہے، میرے سر مین درد ہے تھکا ہوا ہون۔ روشنی کم کر دیجئے،" مین نے اپنی نیچی نظرون سے کہنا شروع کیا، مین سمجھتا تھا کہ یہ رادھا کی نہین، بلکہ "حسن" کی توہین ہو رہی ہے، مگر طبیعت کی ضد سے مجبور تھا، میرا یہ پروگرام بالکل برباد ہو رہا تھا۔ اس حیلہ سے اُسے محفوظ کرنا چاہتا تھا، رادھا، روشنی کم کرنے سے پہلے میرے پاس بیٹھ گئی اُس نے اپنے کنول سے زیادہ روشن چہرہ کو اُوپر اُٹھایا، اُس کے سہاگ کی خوشبو میرے تنفس کو مست کرنے لگی، اور مینے دیکھا کہ اُسکے چمکدار چہرہ پر اُسکی لمبی لمبی پلکون سے موتی جیسے دو آنسو ڈھلک کر اُسکے دل کی کیفیت کا اعلان کر رہے ہین!

مین نے کہا "روتی کیون ہو؟ ـــــ مین دو مہینہ سے سخت بیمار ہون ـــــ سمجھتا ہون کہ تمھارا دل

محبت کا بھوکا، اور تم پریم کی پیاسی ہو مگر......" رادھا " (میری بات کاٹ کر) پران ناتھ! —— اپنی کنیز کا قصور معاف کردو"۔

مین "کیسا قصور؟ —— بے وقوف ہوئی ہو! — سو رہو۔ مین بہت جلد اچھا ہو جاؤن گا۔" ہولی" آرہی ہے ...... روشنی کم کردو"

رادہا "کیا میری صورت سے بھی نفرت ہے؟"

مین "مجھے کسی چیز سے نفرت نہین! تفصیل کا موقع آرہا ہے، تمھین خود معلوم ہو جائیگا، گھبرانے کی کوئی بات نہین!"

رادھا "میرے ہاتھ پر قول دو"

مین "آج سے دو مہینے پہلے مین جو قول دے چکا ہون وہ کافی ہے"

رادھا "اُسکا تو کوئی نتیجہ نہین نکلا؟"

مین "اب نکلے گا"

رادھا "آپ میری زندگی برباد کر رہے ہین"

مین "ہرگز نہین!"

رادھا "ممکن ہے ——"

مین "بس! روشنی کم کردو، اور سو رہو"

کمرہ مین تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا، ہر چیز اُداس نظر آنے لگی میرا دل دھڑک رہا تھا، مین مشرقی عورت کی روایات سے ناواقف نہ تھا مین ترپاہٹ کے نتائج سے بے خبر نہ تھا، مگر چاہتا تھا کہ یہ چند روز اور گزر جائین، تاکہ مجھے رادہا کی محبت کی گہرائیون کا پتہ چل جائے! مین نے انتہائے ضبط سے کام لیا، اور خاموشی سے رادہا کے خیالات کا اندازہ لگانے لگا، آخر رادہا اُٹھی! اُس نے موم بتیوں کو بجھا دیا، لیمپ کو ٹھنڈا کر دیا اور خود خدا جانے کس گوشۂ تاریک مین جا بیٹھی، مین اندھیری رات کے پروانے کی طرح ٹٹولتا ہوا، بیٹھا بیٹھا اپنے پلنگ تک پہونچ گیا، پلنگ پر ہاتھ رکھکر جائزہ لیا تو وہ خالی تھا، اُٹھا اور لیٹ گیا، ساری رات نیند نہ آئی، رادھا کی محبت نے ہزارون طعنے دئے، دل مین سو طرح کے وسواس آئے مگر جذبۂ امتحان نے سبکو مغلوب کر دیا! جب صبح کی روشنی کمرہ مین داخل ہوئی تو مین نے دیکھا کہ رادہا میرے پلنگ کی پائنتی پر سر رکھے بیٹھی ہوئی ہے، اُسکی ساری آنسوؤن سے تر ہے، اسکے رخسار بھیگے ہوئے ہین، اُسکے گیسو برہم ہین، — اور اُسکی آنکھون سے ناکامی کے شعلے نکل رہے ہین! مجھے اپنی بے رحمی پر بہت افسوس ہوا، مین نے رادہا کی طرف ہاتھ بڑہایا، وہ میری محبت کی طرح سرد پڑی ہوئی تھی! اس مین کوئی حس باقی نہ تھی وہ رنج و فکر کے سمندر مین ڈوب گئی تھی، مینے بمشکل اپنے دلکو قابو مین کرکے رادہا سے کہا۔

"کیا تم ساری رات یہین بیٹھی رہین! آخر اس سوگواری کا سبب، مین نے کہہ تو دیا کہ مجھے ہولی تک اور معاف کر دو"

رادھا نے ایک بامعنی انگڑائی لی، اپنے بکھرے ہوئے بالون کو سنبھالا خاموشی سے اُٹھی اور اُداس رفتار کے ساتھ کمرہ سے باہر چلی گئی!

(۵)

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ رادھا اب سراپا محبت ہے، مین اُسے ہر طرح آزما چکا تھا، اسلئے اب میرا آزمانا بیکار تھا لیکن "حسن" جب "عشق" کے قابو مین آجاتا ہے تو حسن سے زیادہ ستم آرائی سوجھتی ہے

——— مین جانتا تھا کہ رادھا میرے بس مین ہے، اور مین نے جو ترکیب اُسکی محبت کو بیدار کرنے کے لئے سوچی تھی، وہ کامیاب ہو چکی ہے، میرا دل خوش تھا، کہ مین نوعروسی کی حیا و شرم کی منزلون سے اس دیوی کو بہت دور کھینچ لے گیا ہون، اور اب میرے تعلقات مین محبت کے سوا کوئی دوسری چیز نمودار نہین ہے!

لاہور سے خط آ چکا تھا کہ والدین ہولی کے بعد آسکین گے، یہ تنہائی کا موقع بھی حسن اتفاق سے میرے لئے بہت غنیمت تھا، مگر مین دیکھتا تھا کہ رادھا روز بروز مرجھائی جاتی ہے، وہ دن اور رات کے کسی حصہ مین جب میری طرف دیکھتی تو اُسکی معصومیت مجھے پریشان کر دیتی تھی، اور مین اُسے مطمئن کرنے کے لئے مسکرا دیتا تھا!

آخر ہولی آگئی، رنگ و بُو کا موسم اپنی نیرنگیان دکھانے لگا، رادھا دیوی نے ہولی کھیلنے کا پورا سامان کیا، اُسے یقین تھا کہ آج مین اپنا وعدہ پورا کر دونگا اور میری محبت رادھا کے ساتھ رنگ اُڑائیگی!

آج امتحان محبت کا آخری دن تھا، جب مین دن کے وقت گھر آیا تو رادھا نے مسکرا کر میرا خیر مقدم کیا، اور انتظار کرنے لگی کہ مین اپنا وعدہ پورا کرون!

مگر میری طبیعت مین ستم ظریفی کے طوفان ابھی موجزن تھے، مین نے کھانا کھایا، رادھا کی آنکھون نے مجھے دعوت رنگ باری دی، اور مین تیز نگاہون سے اُسے دیکھتا ہوا باہر چلا گیا

میری یہ ادائے بے التفاتی رادھا رانی کو وحشی ہرنی کی طرح بے چین بنانے کے لئے کافی تھی، جو نہی مین باہر لوٹا اندر سے نغمون کی آوازین آنے لگین، رادھا گا رہی تھی ——— نہین وہ رو رہی تھی، اسکی آواز مین سوز ہی سوز تھا، مین نے دروازہ سے کان لگا دیے! مین نے سنا رادھا بھرائی ہوئی آواز مین کہہ رہی ہے:-

دیکھو دیکھو آج بھان ——— مار گیو نین بان
گیسو کے تیر کھینچ تان ——— مار گیو، نین بان

اُسکے بعد آواز پست ہوتے ہوتے بالکل کمزور ہو گئی ——— مگر تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد رادھا دیوی کی آواز پھر آئی، اُسکی آواز مین سوز و گداز اپنی انتہائی درد آفرینی کے ساتھ موجین لے رہا تھا، اور وہ میری طلب مین اپنا

وہی پرانا منتر دہرا رہی تھی ——— وہ اپنی لرزتی ہوئی آواز سے کہہ رہی تھی:-

منا لا رے بھونرا سیان کو مورے

ہولی کھیلن کو جیا للچائے　　آج بھی سیان بیگی نہ آئے

کھائے رہی ہچکو رے ——— منا لا رے بھونرے سیان کو مورے

مین رادھا کی یہ نوحہ گری سنتا ہوا چلا گیا، مین نے دیکھا کہ سارا شہر عبیر و گلال مین ڈوبا ہوا ہے، ہر مکان سے عشرت و مسرت کی خوشبو چلی آرہی ہے، موسمی کیفیات ذرہ ذرہ سے آشکار ہین، مین نے بمشکل دن گذارا، گھر کے کئی چکر لگائے، اور ہر مرتبہ رادھا دیوی کو ایک نئے اہتمام مین دیکھا ——— وہ امید و بیم کی بے انتہا گہرائیوں مین ڈوبی ہوئی تھی، مگر مایوس نہ تھی، اُسکے انداز اہتمام سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آج مجھے زندہ نہ رہنے دیگی، آخر رات ہوگئی، مجھے ایک دوست کے یہان جلسۂ رقص مین شرکت کرنی تھی، مین وہان گیا، مگر مجھے ہر ساز اور ہر سرود سے صرف رادھا کی آواز آرہی تھی

منا لا رے بھونرا سیان کو مورے!

جب مغنی کوئی چیز گاتا تو مین یقین کرتا تھا کہ اُسکا صحیح مخاطب مین ہون، اور متکلم میری رادھا ہے، جب مطرب کوئی چیز چھیڑتا تھا تو مجھے رادھا کی سوگوار مگر امید سے بھری ہوئی تان سنائی دیتی تھی، میرا دل اُچاٹ تھا، مجھے محفل کی کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی، کوئی مجھے اپنے گھر کی طرف کھینچ رہا تھا

مین بمشکل کچھ دیر وہان بیٹھا، اور اُسکے بعد سیدھا گھر آیا، دروازہ پر دستک دی کسی ہاتھ نے دروازہ کھولدیا، مگر مجھے علم نہ ہوسکا، مین چند منٹ منتظر کھڑا رہا، میرے دل مین جذبات کے طوفان اُٹھ رہے تھے اور مین اُن مین بالکل کھویا ہوا تھا، آخر دروازہ کو پھر ہاتھ لگایا تو وہ کھُلا ہوا تھا، گھر میں قدم رکھتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ عطر و گلال کے فوارے کھولدیئے گئے ہین، گوشہ گوشہ سجا ہوا تھا، چپہ چپہ مہکا ہوا تھا، روشنی خوب ہورہی تھی، ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی تھی، دو برتنون میں گلابی رنگ بھرا ہوا تھا، دو پچکاریان جگمگا رہی تھین۔ مگر رادھا دیوی کا کہین پتہ نہ تھا! خیال ہوا کہ شاید کسی کام سے گئی ہوگی، مین فرش پر بیٹھ گیا، اور ہارمونیم چھیڑنے لگا مگر رادھا کا اب تک پتہ نہ تھا!

مین نے ہارمونیم بند کردیا، اور گھر مین چارون طرف رادھا کو ڈھونڈنے لگا، مگر مین اُسکے حاصل کرنے مین کامیاب نہ ہوسکا!

واقعات و حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد دفعتہً مجھے اپنے افسانہ کا ایک پلاٹ یاد آیا جو اس نظریہ پر قائم کیا گیا تھا:-

"حسن ستائے جانے کے بعد جب ستاتا ہے تو پھر اُس کا حربہ بے پناہ ہوتا ہے"

مین ڈر گیا، لرز گیا، مجھے اس تحریر کا لفظ لفظ ہیبت ناک نظر آرہا تھا، اور مین پریشان تھا کہ آخر رادھا کہان ہے!

مین نے مجبور ہو کر آواز دی، مگر کوئی جواب نہ ملا، میری پریشانی بڑھتی جارہی تھی مین عنقریب پاگل ہونیوالا تھا کہ یکایک اُس پھولون کے پردہ سے، جو سامنے آویزان تھا، اور جس کے پیچھے مجھے صرف دیوار کا دھوکا تھا، رادھا دیوی چودھوین رات کے چاند کی طرح مسکراتی ہوئی نکلی، اُس نے بغیر کچھ کہے سنے، پچکاری اپنے رنگین ہاتھون مین اُٹھا لی، رنگ بھرا، اور مجھپر برسانے لگی، مجھے سنبھلنا دشوار ہو گیا، کمرہ مین ہر طرف رنگ ہی رنگ نظر آنے لگا، آخر مجھے بھی موقع مل گیا مین نے بھی اپنی پچکاری اُٹھالی، رنگ بھرا —— اور رادھا کی رنگ باری کا جواب دینے لگا، یہ پہلی رات تھی، حسن و عشق کھیل رہے تھے، حسن کی پچکاریون سے عشق بھیگا ہوا تھا، اور عشق کی رنگ باریون میں حسن ڈوبا ہوا تھا، تھوڑی دیر تک اس طرح ہولی "منانے کے بعد ہم دونون تھک گئے"

"محبت" آزمائش و امتحان کے بعد اب ایک ایسی نعمت تھی، جسکی نظیر نہین مل سکتی اور مین کامیاب محبت ہونے کے بعد اسقدر مسرور تھا کہ بیان نہین کر سکتا!

"لارڈ ڈنلیکشتے" کا مقولہ حرف بحرف پورا ہو رہا تھا، اور رادھا، سراپا محبت اور "پریم" بنکر میرے سامنے موجود تھی!

صبح اُٹھکر رادھا دیوی نے کہا "پران پیتم! آپ نے میری محبت کو خوب آزمایا، اور مجھے بہت ستایا، مین اسکا شکریہ ادا کرتی ہون، میری روح "پریم کی پیاسی" تھی، اب وہ سیراب ہے، مگر مین ہنوز آپکی محبت کی تشنہ ہون اور رہون گی —— ! آپ اپنا کام ختم کر چکے، اب مجھے اجازت دیجئے کہ مین آپکی محبت کا امتحان شروع کر دون!"

مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی، مین نے رادھا دیوی کو گلے سے لگا لیا، اور کہا:-

"دیوی! مجھے معاف کر دو، تم یکسر "پریم" اور مطلق "محبت" ہو" اگر تم نے امتحان شروع کر دیا تو مین یقیناً پورا نہ اُتر سکون گا مجھے علم ہے کہ "حسن" جب انتقام لیتا ہے تو "عشق" کو دنیا مین کہین پناہ نہین ملتی مین تمھین یقین دلاتا ہون کہ اب کوئی چیز میرے دل سے تمھین علحدہ نہین کر سکتی"

رادھا کی مست آنکھون مین خوشی کے آنسو آگئے، اُسکے رخسار سرخ ہوگئے، اُسکے ہونٹون پر تبسم کی موجین اُٹھنے لگین، اور پھر خود ہی شرما کر وہان سے اُٹھ گئی

صحرائی سُروری

لفظِ سُنّت کی تحقیق

اور

اڈیٹر معارف کی نکتہ پروری

احادیث کی اہمیت ارباب نظر کے نزدیک

اس سے قبل مین نے وعدہ کیا تھا کہ بہ شرط فرصت انشاء اللہ کسی دوسری صحبت مین حدیث و سنّت پر ایک نظر ڈالونگا غالبًا وعدہ اسقدر جلد پورا نہوتا اگر اتفاقًا میرے ایک دوست اگست سنہ ۱۹۲۹ء کا معارف مجھے پڑھنے کو نہ دیتے اس مین مولانا سید سلیمان ندوی کا مقالہ پڑھکر میرے لئے ناممکن ہوگیا کہ سید موصوف کے بعض خیالات کو حقیقت کی روشنی سے پوشیدہ رہنے دون ـــــ جس تبحر کے ساتھ انہون نے میرے اس قول کا مضحکہ اڑایا ہے کہ یہود کا مشنا اور مسلمانون کا سنّت ہم معنے مرادف لفظ ہے۔ اسکا تقاضا تو یہ تھا کہ مین مولانا کی خدمت مین عرض کرون کہ سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست آپکی عربی دانی مسلم مگر معاف کیجئے صرف عربی دانی علامہ اور فاضل اجل ہونے کے لئے کافی نہین ورنہ میر البغدادی ملازم حسن یقینًا اتنا ہی اپنی فضیلت پر ناز کرسکتا ہے جتنا ہندوستان کا بڑے سے بڑا عالم۔ عربی دان ہونے کے بعد معمولی عقل کا آدمی بھی منقولات کا مطالعہ بطور خود کرسکتا ہے۔ اور مذہب اسلام کے متعلق خود اپنی ایک رائے قائم کرسکتا ہے۔ عربی فقہ اور حدیث کا علم کمسٹری فزکس سائیکالوجی بیالوجی جیالوجی یا علم ہیئت کی طرح نہین کہ بغیر اس کی تحصیل کئے ہوئے کوئی شخص عالم بن سکے۔ یوروپ کے مستشرق اس بات پر فخر نہین کرتے کہ انھون نے ہدایہ یا بخاری کا مطالعہ عربی مین کرلیا ہے۔ بلکہ انکا سب سے بڑا مایہ ناز کارنامہ یہ ہوتا ہے۔ کہ سامی مذاہب اور لٹریچر۔ انکی زبان تاریخ اور علم انساب پر انکو عبور ہوتا ہے۔ مگر اس علم و معرفت کے بعد بھی وہ کبھی اپنے دعوی کو اس شد و مد سے پیش نہین کرتے جتنا ہمارے علامہ موصوف کی تحقیق "انیق" (Unique) ہے۔ اور یہ وہ مستشرق ہین جنکے متعلق شیخ محمد عبدہ کو بھی اقرار تھا کہ ہم خود اپنی زبان و علوم و معارف مین انکے آگے طفل مکتب ہین کاش مولانا انگریزی کے صرف اس قدر عالم ہوتے کہ وہ اور نہین تو محض انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مضامین کو بے تکلف پڑھ اور سمجھ لیتے تو مین ان سے عرض کرتا کہ مشنا کا مضمون پڑھ لیجئے تاکہ آپکو خود اپنی تحقیق پر ناز نہ رہے اور آپ ایسی جرات نہ کرین کہ مشنا تلمود

متنی توریت سے خلط مبحث کردین۔ جسکو ایک یہودی بچہ بھی سن کر ہنس دیگا کیونکہ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ
تالمود (احادیث یہود) کا پہلا حصہ مشنا کہلاتا ہے اور جو انبیائے بنی اسرائیل کی صدری و زبانی اقوال و اعمال کا مجموعہ
ہے۔ اور اسکے معنی بالکل وہی ہین جو سنت کے ہین۔ مولانا کی یہ دلیل اور بھی پر لطف ہے کہ سنت کا لفظ قرآن مین کئی بار
آیا ہے۔ اس لئے یہ عبرانی زبان سے ماخوذ نہیں ——— صلوٰۃ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ صدقہ۔ اسفار۔ ملائک۔ جبرئیل۔ میکائیل
دعائے ماثورہ۔ ہزارون عبرانی الفاظ قران شریف مین ہین۔ مگر اس نظریہ کے مطابق وہ عبرانی ہو ہی نہین سکتے۔

ہندوستان کے معمولی صرف و نحو جاننے والے تے اگر پہلی بار قرآن مین تین وقت کی نماز پائی ہے تو خدا کے لئے
قران شریف کی آپ وہ آیت پیش کردین جس سے آپ پانچ وقت کی نماز بلا تاویل کے ثابت کر رہے ہین۔ ورنہ
اس مین تعجب کیا ہے اگر حضرت مسیح کے مصلوب نہونے اور رہبانیت کے بدعت ہونیکے چھ سو برس بعد ایک عرب کے اُمی
نے اعلان کیا تو کیا نعوذ باللہ آپ کے اس اصول کے مطابق وہ ایک لغو قول تھا۔ اور دور کیون جائیے یہ کسکا قول تھا کہ
مین بعض احکام مین مسلمانون کے عمل کو قرآن کے خلاف پاتا ہون مثلاً وضو مین پیر دھونا اور مین اسکی کوئی وجہ نہین
جانتا" لیکن شاید اس مین مولانا سید سلیمان کا اتنا قصور نہین جتنا عربی نصاب تعلیم کا ہے، مولویون کی فضیلت سے
وہ لوگ مرعوب ہون جنھون نے اس راہ کی بادیہ پیمائی نہین کی۔ مگر جو شخص خود اپنے تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ شرح چغمینی
ایساغوجی اور شمس بازغہ اور اس قسم کی خرافات کے ساتھ مذہب اسلام کی خوبی اور قرآن کے نکات کو سمجھنا اور اپنے
دماغ کو اوہام کی تاریکی سے دور کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا ایک موٹر کار و ہوائی جہاز کے کرشمون کو جاننا وہ کیون آپکے
رعب مین آئے۔ آج ایک گریجوایٹ کو عربی ادب سے واقف کرکے دو سال بطور خود اسلامی مذہبی علوم کا مطالعہ کرنے کے لئے
چھوڑ دو تو اگرچہ وہ آپکی طرح علم و تقویٰ کا مدعی تو نہوگا لیکن وہ اسلام کو ہزار درجہ اس قابل عربی سے بہتر سمجھے گا جس نے
ابتدا مین قال اقول مین سر مارا اور آخر مین قال رسول اللہ سے۔ مذہب اسلام کے سمجھنے کے لئے فلسفہ مذہب۔ تاریخ مذاہب
اقوام سامیہ کا لٹریچر تاریخ انقلاب و علم انساب کی ضرورت ہے جو دیوبند یا ندوہ کے دسترس سے باہر ہے مگر جو ایک
انگریزی دان کے لئے ہر طرح بہم و مہیا ہے خالص مدرسۂ عربی کے عالم کو جیسی عربی آتی ہے مین ہی خوب جانتا ہون۔
اور جس عقلیت کے ساتھ وہ اسلام کا وعظ کہتا ہے وہ اہل دل ہی سمجھ سکتے ہون تو سمجھین۔ اور اس باریک نکتے پر کہ اگر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر اڑ کر گئے تو آسمان مین خرق و التیام کی صورت کیسے پیدا ہوئی۔ شیخ فنجن
و شیخ بدلو عش عش کرین تو کرین۔ مگر اہل نظر کے نزدیک ان کے اس علم و عقل کا پردہ چاک ہوتا چلا جا رہا ہے اور اگر
کہین باقی ہے تو ۹۵ فیصدی جاہل ہندی مسلمانون مین اور ۱۰۰ فیصدی جاہل افغانون مین مگر وہ بھی تا بکے۔ مولانا
سلیمان نے فخریہ بیان کیا ہے کہ فلسفہ مذہب کے بعض ٹکڑے معارف مین چھپنے کو بھیجے گئے مگر وہ معارف کے لئے
موزون نہ سمجھے گئے۔ شاید دنیا اس راز کو نہین جانتی کہ وہ کیون موزون نہین سمجھے گئے۔ میرے پاس وہ خط ابھی

پڑا ہوگا جس مین سید سلیمان نے میرے حصہ مضمون (مذہب اور خوست) کو شرف قبولیت بخشا تھا۔ مگر اسکے بعد میری ایک گستاخی کے صلہ مین وہ مضمون واپس کر دیا گیا۔ گستاخی کا واقعہ یہ ہے کہ واقدی کے سچے جھوٹے ہونے کے متعلق سید سلیمان کا ایک مضمون کا ترجمہ اسلامک ریویو کے کئی نمبرون مین دیا تھا جس مین حسب سنت علماء بڑی بڑی کتابون کا حوالہ دیا گیا تھا جب عیسائیون کی حالت ہماری طرح تھی تو وہ بھی اس قسم کے مضمونون پر کتابین لکھ ڈالتے تھے مثلاً عشاء ربانی مین روٹی فطیری ہو یا خمیری مین نے سید صاحب کی خدمت مین عرض کیا کہ واقدی کے متعلق آخر اس قدر دیدہ ریزی اور اس کے جھوٹ ثابت کرنے کے لئے اتنی بڑی ضخیم کتابون کے حوالہ جات کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہمارے عالمون کا ایک زمانہ مین یہ ہنر ہوا کرتا تھا کہ دریا کو کوزہ مین بند کرتے تھے اب ہمارے عالمون کا بڑا ہنر یہ ہے کہ کوزہ کو دریا کر دین۔ اگر یہی چیز عربی مین علمیت کہلاتی ہے تو گستاخی معاف انگریزی مین اسکو نیڈنٹری (Pendentry) کہتے ہین۔ اس معروضے کے تیسرے روز عتاب نامہ معہ مضمون کے واپس آیا اور اس دن سے نہ مولانا نے مجھے مخاطب کیا اور نہ میرے کسی خط کا جواب دیا۔ خیر آمدم بر سر مطلب۔

سنت۔ فقہ۔ حدیث۔ تین مختلف چیزین ہین جنھون نے قرآن کی جگہ اسلام مین لے رکھی ہے۔

سنت وہ زبانی طریقے و اعمال ہین جو مسلمان ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے ابتدا سے چلے آتے اور اسپر عامل رہے۔ یعنی رسول اللہ کے طریقے کو اصحاب نے دیکھا۔ اصحاب کو تابعین نے۔ تابعین کو تبع تابعین نے اور اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ ایک طریقہ اسلام کے مذہبی اعمال کا مسلمانون مین جاری رہا۔ سنت کا ساتھ قرآن کے ساتھ ساتھ ہے اور اس سے انکار نہین کیا جا سکتا۔ یہ عمل ظاہری ایسے صاف تھے کہ اسپر کسی رد و قدح کی ضرورت نہ تھی اور نہ سنت متواتر پر کسی صاحب عقل کو کلام یا اعتراض ہو سکتا ہے۔ خود قرآن شریف مین اگرچہ نماز کے طریقے پر سکوت اختیار کیا گیا ہے مگر ایک آیت مین اسکا پتہ ضرور چلتا ہے کہ سنت متواترہ پر عمل کرنے کی رائے دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف مین ہے کہ تم نماز پڑھو جیسی تمکو سکھلائی گئی ہے۔ مسلمان اس سے مشکل سے انکار کریگا کہ جو نماز مسلمانون کی جماعت پڑھ رہی ہے وہ بجز معمولی فروعی اختلاف کے سنت متواترہ نہین ہے۔ عملی مذہب کے لئے سنت متواترہ کا اصول ضروری ہے اور یہ صورت اسلام مین قائم رہی اگر فقہا کا دور دورہ نہ ہوتا جن کے مبارک وجود نے اسلام کو سیاست سے گزار کر کے اسلام کو ایک قومی مذہب بنا کر توریت کی طرف ہٹا دیا۔ اور بقول مسٹر امیر علی کے "اسلام کا مذہب اسکیمو قوم مین بھیلایا جا سکتا ہے جو بالکل عقلی بات ہے مگر یہ کہنا بڑا خبط ہے کہ عراق کی آب و ہوا و معاشرت کے لحاظ سے جو فقہ مرتب ہوئی ہے وہ بھی ساتھ لگا دی جائے"

فقہ کی ضرورتون نے قال الرسول کا لٹریچر پیدا کیا۔ پہلی صدی کے مسلمانون کو انتظام ملکی کے لئے کوئی ایسا طریقہ معلوم نہ تھا جیسا اس زمانے مین پارلیمنٹ یا کونسل آف اسٹیٹ یا لیجسلیٹو کونسل کا ہے۔ جب کسی سیاسی یا ملکی

معاملے مین کسی طریقے کو اخذ کیا جاتا تو مسلمان سب سے پہلے اسکا جواز قرآن مین ڈھونڈتے۔ پھر سنت متواترہ مین۔ اور جب وہ اسکو حل نہ کر سکتے تو یہودیون، شامیون ایرانیون کی طرف رجوع کرتے۔ عربی نخوت اور عصبیت کے باعث اسکا اقرار تو نہ کرتے کہ یہ اصول انکے محکوم قومون سے لئے گئے ہین اور اس مشکل کو اس طرح حل کیا جاتا کہ ایسے جواز و اصول کو رسول اللہ کی حدیث مین منتقل کیا جاتا۔ لوگون کا یہ خیال غلط ہے کہ حدیث رسول خلفاء خلافت مین گونج رہی تھی اور فقہار نے اسکو مدنظر رکھ کر اپنی شریعت کی بنیاد ڈالی۔ واقعہ اسکے خلاف ہے۔ پہلے فقہ کے اصول مدون کئے گئے اور اس کے بعد اسکی سند اور تائید مین حدیثین بنائی گئیں اور انکو فروغ دیا گیا۔ اگر پہلی صدی کے مسلمان اپنے ہر کاروبار مین مذہب کو آگے نہ کر دیتے تو غالباً صرف مذہب کے لئے قرآن اور سنت متواترہ کافی سے زیادہ تھین مگر خدا جانے۔ انکی سمجھ مین یہ کیون نہ آیا کہ دنیاوی سیاست و معاشرت کو مذہب سے علٰحدہ کرکے اپنی عقل و قیاس کا جولان گاہ بنایا جائے۔ فقہ نے جہان وضو و نماز کے اصول بنائے وہین سیاست وغیرہ کے اصول بھی تیار کئے۔ اور دونون کا پلہ برابر رکھا۔ ظاہر ہے کہ قرآن سے ہر کام نہین لیا جا سکتا۔ مسائل دنیاوی کے لئے خدا نے جو عقل دی تھی وہ انہون نے کبھی استعمال نہ کی اور اب بھی اسپر آمادہ نہین حالانکہ اسلام اسلامی سلطنت کے باہر بھی وسعت پذیر ہو گیا ہے۔ جہان کی قومین اصول بنانے مین نہ مسلمانون کے محتاج ہین نہ مسلمانون کے فقہ اور حدیث کی۔ اور مسلمانون کے لئے سوائے اسکے کوئی صورت باقی نہ رکھی کہ یا تو غیر قوم کے قانون کو برتین یا اس ملک کو چھوڑ دین۔ بخاری کو کھولکر دیکھو صاف پتہ دے رہا ہے۔ کہ فقہی عنوانات کیلئے حدیثین سند کے لئے لائی گئی ہین۔ اور اس لئے حدیثون مین تکرار ہے۔ یہی حال موطا امام مالک کا ہے۔ ابو حنیفہ کے اصول مین قیاس ورائے کو ایک حد تک زیادہ دخل تھا۔ مگر قیاس ورائے پر مسلمانون کو اطمینان نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انکے بعد ہی حدیثین ملنا شروع ہو گئین۔ اور جب امام حنبل کا زمانہ آیا تو انھون نے قیاس ورائے کو برطرف کرکے ساری متداولہ حدیثون کو اپنی سند مین جمع کر دیا۔ آج جن کو ہم لوگ اہل حدیث کہتے ہین وہ درحقیقت حنبلی ہین حنابلہ مسند امام حنبل کی پیروی کرتے ہین انکو کسی قیاس ورائے سے مطلب نہین۔ اور مسند امام حنبل مجموعہ ہے تمام ان احادیث کا جو امام حنبل کے زمانے تک مسلمانون مین رائج ہو گئی تھین۔ یہ حدیثین کیسی ہین۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

حدیث بجائے خود کوئی چیز ایمان لانے کی نہین ہے۔ اگر کسی مسلمان کو اس بات کا قطعی یقین ہو جائے کہ جو کچھ بخاری و مسلم مین لکھا ہے وہ عین فرمودۂ رسول اللہ ہے تو پھر کوئی بحث باقی نہین رہ جاتی۔ اسکا نہ ماننا گویا رسالت مآب سے سرکشی کرنا ہے اور اسکی جراءت کوئی مومن نہین کر سکیگا۔ مگر اسکا کیا علاج کہ اہل علم مین سے کوئی بھی اس کہنے کے قابل نہین ہوا کہ حدیث کی کوئی کتاب ایسی ہے جسپر آنکھ بند کرکے عمل کیا جائے۔ یا کم سے کم کسی مسلمان کو اسکی توفیق ہوتی کہ عقل و درایت سے کام لیکر جواہرات کو خذف ریزون سے علٰحدہ کر دیتا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم (موطا) کی تقریباً تمام حدیثین صحیحین مین آگئی ہین۔ اور سنن ابن ماجہ۔ ابی داود۔ نسائی۔ ترمذی۔ یا ان سب کا مجموعہ مسند امام حنبل:

جس مین ہر صحابی کے عنوان سے حدیثین درج ہین صحاح ستہ کہلاتی ہین - اور اول دو صحیحین - لیکن یہ سمجھنا کہ یہ کتابین خطا و لغزش سے پاک ہین - کم سے کم علماء متاخرین مین سے کسی کا عقیدہ نہ تھا - چنانچہ شرح اصول بزدوی مین مرقوم ہے کہ ابو عمر دمشقی نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے ایسی جماعت سے استناد کرتے ہوئے اپنی کتاب مین انکی روایات کو جگہ دی ہے جیسے عکرمہ - اسمعیل - عاصم اور عمرو بن فرزوق وغیرہ حالانکہ انکی نسبت اور متقدمین اور محققین نے جرح کی ہے - اسی طرح امام مسلم نے بھی سوید بن سعید وغیرہ سے استناد کیا ہے جسپر اوروں نے طعنہ کیا ہے

امام دار قطنی نے فرمایا ہے کہ دوسو دس حدیثین صحیحین کی ضعیف ہین - جن مین اسی مخصوص بہ بخاری اور ۱۰۰ مخصوص بہ مسلم اور ایک سو دونون مین مشترک - لیکن اسکے علاوہ بھی بہت سی ایسی حدیثین جنکی عدم صحت کا محدثین اور علماء محققین نے اقرار کیا ہے - مثالاً یہ چار حدیثین ملاحظہ ہون -

(۱) صحیح بخاری مین عروہ سے مروی ہے

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب عائیشۃ فقال لہ ابوبکر انما انا اخوک فقال انت اخی فی دین اللہ -

فتح الباری شرح صحیح بخاری مین مرقوم ہے کما قیل فی صحتہ ھذ الحدیث نظر لان الحلۃ لابی بکر انما کانت بالمدینۃ وخطبۃ عائیشۃ کانت بمکۃ فکیف یلتیم قولہ انما انا اخوک - کہ اس حدیث کی صحت مین نظر ہے اسواسطے کہ حلت ابو بکر صدیق مدینہ مین ہوئی اور خطبہ عائشہ مکہ مین ہوا ہے حلت سے پہلے ابو بکر کا کہنا انما انا اخوک صحیح نہین ہو سکتا اس حدیث کی صحت مین صرف ایک تاریخی واقعہ کے مخالف ہونے کے سبب سے کلام کیا گیا

(۲) صحیح بخاری مین ابوہریرہ سے مروی ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یلقی ابراھیم اباہ فیقول یارب انک وعد تنی الاتخزنی یوم یبعثون فیقول اللہ انی حرمت الجنۃ علی الکافرین - اس حدیث کی عدم صحت کا بھی محققین نے اقرار کیا ہے - کما قیل قد استشکل اسمعیل ھذا الحدیث من اصلہ وطعن فی صحتہ فقال ھذا الحدیث فی صحتہ نظر یعنی اسمعیلی نے اس حدیث کی اصلیت مین اشکال پیش کیا ہے اور اسکی صحت مین طعنہ کیا ہے چنانچہ کہا ہے کہ اسکی صحت مین نظر ہے اس حدیث کی صحت مین صرف اسلئے کلام کیا ہے کہ حضرت اسمعیل کی شان سے بعید ہے کہ جب خدائے تعالی نے انکو اپنے باپ کی شفاعت سے دنیا ہی مین منع کر دیا تھا تو کیونکر پھر قیامت مین خلاف حکم خدا کے شفاعت کرینگے -

(۳) صحیح مسلم مین حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آل ابا سفیان قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسئلک ثلاثا فاعطا ایاھن منھن عندی اجمل العرب ام حبیبہ ازوا یک ایاہ - زاد المعاد مین مرقوم ہے کہ ہذا الحدیث غلط ظاہر لا خفاء بہ یعنی اس حدیث کی غلطی ظاہر ہے جس مین ذرا پوشیدگی نہین - قال ابو محمد بن حزم وھو موضوع بلا شک کذا بہ عکرمہ بن عمار یعنی حزم فرماتے ہین کہ یہ حدیث موضوع ہے بلا شک - عکرمہ بن عمار نے جھوٹ کہا ہے - قال ابن جوزی فی ھذا الحدیث ھو وہم من بعض الرواۃ لا شک فیہ ولا تردد

یعنی بلا شک و تردد بعد والے راویون کو وہم ہوگیا۔ اس حدیث کی غلطی اس وجہ سے مانی گئی ہے کہ وہ تاریخی واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ حضرت ام حبیبہ عبد اللہ بن جحش کی منکوحہ تھین اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کو گئی تھیں جب انکا خاوند وہان جاکر عیسائی ہوگیا اور وہ اپنے دین پر قائم رہین تو آنحضرت نے نجاشی کے ذریعے سے نکاح کیا اور یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے اور ابو سفیان فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو کر اسی دن آنحضرت کی خدمت مین حاضر ہوئے تھے۔

(۴) مسلم مین جابر سے مروی ہے کہ آنحضرت نے حجۃ الوداع مین طواف کر کے نماز عصر کی مکہ مین پڑھی اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ نماز عصر کی منا مین پڑھی۔ ہذا قال ابن حزم فی ہاتین الروایتین احدہما کذب بلا شک یعنی امام ابن حزم فرماتے ہین کہ ان دونون روایتون مین سے ضرور ایک روایت جھوٹ ہے

امام دار قطنی نے تو کچھ اوپر دو سو روایتین ضعیف بتائی ہین لیکن اگر ابن جوزی کے ان اصول پر صحاح کو دیکھا جائے تو نصف سے زیادہ حدیثین ساقط الاعتبار ہو جائیں گی۔

ابن جوزی نے جو اصول روایت بتائے ہین یہ ہین۔

"جس حدیث کو عقل کے مخالف یا اصول کے خلاف دیکھو سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے پھر اسکے راویون کی جرح و تعدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ یا حدیث مین ایسا بیان ہو جو حس اور مشاہدے کے برخلاف ہو یا نص قرآن یا سنت متواترہ یا اجماع کے اس طرح سے مخالف ہو کہ کسی طرح تاویل کی گنجایش نہو یا اس مین ادنی سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی دی گئی ہو یا معمولی اور تھوڑے کام پر بڑے بڑے انعام کا وعدہ کیا گیا ہو۔ اس قسم کی حدیثین واعظون اور بازاریون کے کلام مین بکثرت موجود ہین۔ یا اکیلا ایک شخص ایسے لوگون سے روایت کر رہا ہے کہ اُنکے دوسرے شاگرد اس حدیث کو بیان نہین کرتے یا ایسی حدیث کی روایت تنہا ایک ہی شخص بیان کر رہا ہو کہ جن کے مضمون کا جاننا تمام مکلفین کے لئے بلا کسی عذر کے ضروری ہے یا حدیث مین کسی ایسے بڑے کام کا تذکرہ ہو جس کے لئے بہت سے وسائل درکار ہوا کرتے ہین۔ یا حدیث مین ایسی بات موجود ہو کہ جس کے جھوٹ ہونے کی ایک ایسی بڑی جماعت نے تصریح کی ہو جن کا جھوٹ پر اتفاق کرین اور ایک دوسرے کی تقلید سے جھوٹ بولتے رہنا عادتاً نا ممکن ہو۔ حافظ ابن حجر نے اپنی نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر مین لکھا ہے کہ موضوع ہونیکا پتہ اسطرح چلسکتا ہے کہ وہ حدیث یا قرآن یا سنۃ متواترہ یا اجماع قطعی یا عقل فرع کے اس طرح سے متناقض ہو کہ کسی تاویل کی اس مین گنجایش نہو تو وہ حدیث موضوع قرار پائیگی"

انہین اصول سے ملتا جلتا شاہ عبد العزیز نے اپنے عجالہ نافعہ مین موضوعات کے پرکھنے کے گیارہ بارہ اصول لکھے ہین۔

محمد بن علی قاضی شوکانی نے اپنی کتاب نیل الاوطار مین کہا ہے کہ ابو داؤد نے اپنی سنن مین بہت سی حدیثون پر سکوت کیا ہے اور انکے ضعف کا کچھ ذکر نہین کیا البتہ منذری شارح ابو داؤد نے بہت سی حدیثون کا مدلل طور پر ضعف بیان

کیا ہے۔ اور یہی حال ہے مسند امام احمد بن حنبل کی حدیثون کا۔ ترمذی کی نسبت تو یہان تک کہا گیا کہ ان سے حسن کہنے پر مت جاؤ۔ اور نسائی سے پوچھا گیا کہ کتاب سنی تو یہ صحیح ست گفت لا۔ ابن ماجہ کی بعض حدیثین تو اسقدر لغو وضعیف ہین خصوصاً جس مین قزدین کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ بعض علماء نے اسکو صحاح سندی سے خارج کر دیا۔

پس حدیث کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ وہ شک سے خالی نہین۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مذہب کی بنیاد اور اسکا حلال و حرام اور اسکا جواز و عدم جواز مشکوک روایات پر قائم ہو سکتا ہے اور یا قرآن کے صریح احکام کے مقابل مشکوک کو ترجیح دیجائیگی اگر اسکا جواب نفی مین ہے اور یقیناً نفی مین ہوگا تو کسی حدیث کو صرف اس لئے مان لینا کہ بخاری شریف کے صفحون مین موجود ہے اگر بخاری پرستی نہین تو اور کیا ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذہب کی ضرورتین قرآن سے پوری نہین ہوئین مجبوراً ہمکو حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے مگر یہ منحصر ہے مذہب کے اصول سمجھنے پر۔ اگر مذہب کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا جائے کہ اس سے ایک سلطنت کا انتظام مقصود ہو تو میرے خیال مین حدیث کیا معنی امام ابو یوسف و ابو حنیفہ کا قیاس بھی کافی نہین ہو سکتا۔ لیکن اگر مذہب اپنے ذاتی اعتقاد۔ اخلاق و عبادات پر موقوف ہو جیسا مین نے فلسفہ مذہب مین دکھلایا ہے تو قرآن ہر طرح مذہب کے لئے جامع وکافی ہے اور اسکے ازلی اصول ہر ملت و ملک کے لئے قابل عمل ہین، یہ سوال یہان مکرر پیدا ہوگا کہ نماز جو اسلام کا رکن اعظم ہے بغیر حدیث کے وفقہ کے کس ترتیب و ترکیب سے پڑھی جائے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اگر تم نے اپنے ذہن مین اللہ تعالیٰ کا تصور ہی کر رکھا ہے جو دیوبند کے ایک مولوی کا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ہمارے چند جسمانی حرکات کا خلاف رسم ادا کرنے پر جامہ سے باہر ہو جانا اور تم کو دوزخ کے گڑھے مین پھینکنے پر تیار ہو جانا ممکن ہے لیکن اگر ہمارے ذہن مین خدا اور نماز کا وہی تصور ہے جو قرآن سے ثابت ہے تو تمہارے روزے نمازین وزکوتین مقصود بالذات نہین بلکہ ذریعہ ہین تمکو نیکی و ہدایت کی طرف لیجانے کا۔ اور نماز کو جس طرح خشوع و خضوع و حضور قلب سے ادا کروگے وہ خدا کے نزدیک مقبول ہے۔ لیکن جتنا میرے دوست حضرت نیاز فتحپوری کا بجا خیال ہے نماز کا ایک مقصد تنظیم و تشکیل جماعت بھی ہے۔ تو سنت متواترہ پر عمل کرو جس کے لئے کسی قول و دلیل و سند کی ضرورت نہین۔ سنت متواترہ کا سب سے بڑا و پختہ اصول یہ ہے کہ مسلمانون کی ایک جماعت ایک کام کو بلا اختلاف ہر زمانے مین کرتی چلی آئی ہے جو یقیناً رسول اللہ صلعم سے نسلاً بعد نسل دیکھا گیا اور عمل مین لایا گیا

لیکن مین نے حدیث کا وہ پہلو دکھلایا نہین جو سب سے زیادہ خطرناک ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے ایام خلافت مین وہ کام لیا گیا ہے جو اس زمانے مین پولیٹکل پارٹیان پریس سے لے رہی ہین۔ اور حدیثون کی بڑی تعداد ان اقوال پر مبنی ہے جو محض فریق ثانی کو زک دینے کے لئے تراشی گئی تھین خواہ وہ اختلاف سیاسی رہا ہو یا قومی یا مذہبی۔ اور جب ایران مین صوفیہ کا دور دورہ ہوا تو پھر ہر صوفی و واعظ کا سب سے

بہتر مشغلہ یہ ہو گیا کہ جہاں کوئی عجوبہ زبان بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی یا معتقدین کو سکتہ میں ڈالنے کا شوق ہوا یا زہد و فقر و غنا و عشق مجازی کی مجلس گرم کرنی ہوئی تو اسکے سرے پر ایک سلسلہ سند کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھٹ سے لے دیا۔ اس قسم کی تدلیسات کی سب سے بہتر مثال ہندوستان ہی سے دیجا سکتی ہے

حضرت بابا فرید شکر گنج کی ملفوظات کو حضرت نظام الدین اولیا نے ترتیب دیکر اسکا نام راحتہ القلوب رکھا، یہ فارسی میں مختصر سی کتاب ہے۔ لیکن شروع سے آخر تک جتنی حدیثین اس مین بیان کی گئی ہین انہین ایک کا پتہ صحاح مین نہین ملتا اور اگر ملتا ہے تو نہایت مسخ شدہ حالت مین۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا بابا فرید کے زمانے مین ہندوستان کے اندر حدیثون کا رواج ہی نہ ہوا تھا اگرچہ کہا جاتا ہے کہ صاحب مشارق الانوار یعنی امام صغانی لاہور مین پیدا ہوئے (مشارق الانوار صحیحین کی ایک عجیب و غریب ڈکشنری ہے) بابا فرید اور حضرت نظام الدین کو مسلمانون کا ایک جاہل طبقہ ہندوؤن کے اوتار کی طرح پوجتا ہے لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ اگر انہون نے ساری حدیثین اپنے دل سے گڑھی ہین تو خدائے تعالیٰ کے یہان کس طرح جواب وہ دینگے۔ راحتہ القلوب کے مطالعہ کے بعد پہلے مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ کتاب جعلی تو نہین مگر عبارت و نفس مضمون مین کسی قسم کا شبہ نہ تھا کہ یہ حضرت نظام الدین کے ہاتھ کی نہو۔ خیر بابا فرید کے متعلق تو یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ ہندوستان انکے زمانے تک اس عجمی وبا سے بچا رہا مگر غزالی کے نسبت کیا کیا جائے جنکی احیاء العلوم اور اسکے فارسی خلاصہ کیمیائے سعادت مین ہزارون ایسی حدیثین ہین جنکا سر ہے اور نہ پیر۔ بعض تو یونانی حکماء کے اقوال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زبان سے بیان کئے گئے ہین۔ مثلاً من عرف نفسہ فقد عرف ربہ وغیرہ۔

ابن حبان نے اپنی کتاب الضعفاء مین عبد اللہ بن یزید الحضرمی کی نسبت بیان کیا ہے کہ ایک بدعتی شخص اپنی بدعت سے تائب ہوا تو کہنے لگا کہ اس حدیث کو دیکھو تم اس شخص سے لیتے ہو۔ حالانکہ جب ہم کوئی چیز دیکھتے "جعلنا لہ حدیثا" یعنی اسکے لئے حدیثین وضع کر لیا کرتے ابو سعید مدائنی وغیرہ کا یہی پیشہ تھا کہ موضوع قصے بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا کرتے (تدریب) حاکم نے یارون سے اور انہون نے ابی عبد اللہ سے اور انہون نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ خلیفۃ المہدی عباسی کا بیان ہے کہ مجھ سے مقاتل بن سلیمان نے کہا "ان شئت وضعت لک حدیثا" یعنی اگر تو چاہے تو مین تیرے لئے حدیثین جمع کر دون۔ سیدی نے جواب دیا کہ مجکو اسکی ضرورت نہین (تدریب) حاکم نے کہا ہے کہ محمد بن القاسم جو رئیس المرجیہ تھا "کان یضع الحدیث علی مذہبہم" یعنی وہ اپنے مذہب کے موافق حدیثین وضع کیا کرتے تھے (تدریب) ابو داؤد یعنی باوجودیکہ بڑے آدمی اور قائم اللیل اور صائم الدہر تھے جھوٹی حدیثین بنایا کرتے تھے، ابن حبان نے کہا ہے کہ ابو بشر احمد بن محمد الفقیہ المروزی باوجود اپنے زمانے مین حامی سنت ہونے کے جھوٹی حدیثین بنایا کرتے تھے

اسی طرح وہب بن حفص ایسے بزرگ تھے کہ کسی سے کلام نہین کرتے تھے باوجود اسکے کان یکذب الکذب الفاحشا یعنی سفید جھوٹ بول دیا کرتے تھے محمد بن سعید مصلوب کا بیان ہے کہ "لاباس اذا کان کلام حسن ان یضع لہ اسناد" یعنی جب کوئی اچھا کلام ہو تو اسکے لئے سند وضع کرنے مین کیا مضایقہ ہے۔

خلیفہ مہدی اور غیاث بن ابراہیم نخعی کا واقعہ تو مشہور ہے۔ حاکم نے ابی العمار المروزی سے نقل کیا ہے کہ ابی عصمت نوح ابن ابی مریم سے کہا گیا کہ کیا بات ہے کہ تم عکرمہ سے اور وہ ابن عباس سے قرآن مجید کی سورتون کے فضائل بیان کرتے ہو۔ یہ فضائل عکرمہ کے شاگرد نہین بیان کرتے ان حضرت نے کیسا صاف جواب دیا ہے۔

"انی رأیت الناس قد اعرضوا عن القرآن وا شتغلو بفقہ ابی حنیفہ ومغازی ابن اسحق وضعت ھذا الحدیث حسبۃ (اشتغلو بفقہ ابی حنیفہ ومغازی ابن اسحق قابل نوٹ ہے)

ابن حبان نے اپنی ضعفاء مین ابن مہدی سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہین کہ مین نے میسرہ بن عبد ربہ سے دریافت کیا کہ تم یہ تمام حدیثین کہان سے لاتے ہو کہ جو اسکو اس طرح پڑھتا ہے اسکے لئے ایسا ہے تو انھون نے جواب دیا کہ مین نے ان حدیثون کو اسلئے وضع کیا کہ لوگ اس مین رغبت کرین اور جو ہوشیار لڑکے ہین وہ زہد اختیار کرتے ہوے شہوات دنیا اور بغداد کے بازارون مین گھومنا اپنی موت کے ڈر سے چھوڑ دین۔

"وضعتہا ارغب الناس فیہا ملبلا یناھد ویہجر الشہوات الدنیا وعلقت بسواق بغداد لموتہ

ابولنسیا کو یہ کہتے ہوے سنا گیا کہ مین نے اور جاحظ نے فدک کو وضع کرکے بغداد کے بہت سے شیوخ کے سامنے پیش کیا تو بجز ابن ابی شیبہ علوی کے باقی سب نے اس سے قبول کر لیا۔

ایک دوسرا خطرناک پہلو اسرائیلیات کا ہے جس سے خود اصحاب مثل ابن عمر۔ ابوہریرہ۔ ابن عباس بھی نہین بچے ابو الامداد ابراہیم حاشیہ نخبۃ الفکر مین لکھتے ہین کہ:۔

"جو صحابہ بنی اسرائیل کے واقعات ماخوذ کرنے والے ہین وہ حضرت ابو بکر حضرت عمر۔ حضرت عثمان حضرت علی ہین اور جو اصحاب ان سے لیا کرتے ہین وہ عبد اللہ بن سلام اور بعض نے کہا عبد اللہ بن عمرو بن عاص ہین کہ جب شام کا ملک فتح ہوا تب ایک بار اونٹ یہود و نصاریٰ کی کتابین لاتے اور اس مین سے واقعات بیان کرتے۔ پس عمرو بن عاص سے لوگ ان واقعات کو ماخوذ کر لیا کرتے۔ اسی واسطے انکی حدیثین کم ہین مگر وہ باتین جو کثرت سے ان سے منقول ہین وہ صرف اخبار و قصص بنی اسرائیل اور روایات اہل کتاب کی ہین کہ انکی حدیثین ابی ہریرہ سے بھی زیادہ ہین۔"

جلال الدین سیوطی اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن مین فرماتے ہین کہ:۔

"عبد اللہ بن عمر و بن عباس نے بہت واقعات جو قصص اور اخبار آخرت سے تعلق رکھتے ہین اور بھی انکے مثل

سب کے سب چونکہ وہ انکو اہل کتاب سے ملے تھے لہذا روایت کردیئے"

ملا علی قاری نے شرح نخبتہ الفکر مین لکھا ہے کہ:۔

"وہ حدیثین کہ جنکو ان اصحاب نے بیان کیا جو اسرائیلیات مین نظر رکھتے تھے جیسے عبداللہ بن سلام اور عبداللہ بن عمرو بن عاص ہین۔ پس انکو واقعہ یرموک سے بہت سی کتابین اہل کتاب کی دستیاب ہوئین تو وہ لوگ امورات غیبیہ مثلاً احوال قیامت وغیرہ روایت کرتے تھے یہان تک کہ بعض صحابہ بعض اوقات کہدیا کرتے تھے کہ ہم سے رسول خدا کی حدیث بیان کرو۔ صحیفون مین سے قصے بیان کرو"

حافظ ابن کثیر کا قول ہے

وکان ابن عباس تلقاہ من الاسرائیلیات۔ یعنی ابن عباس بنی اسرائیل سے واقعات کو اخذ کر لیا کرتے تھے

حافظ ابن حجر کا قول ہے۔

یاخذ من کلام غیرہ کبعض السلف الصالح او قدماء الحکماء او الاسرائیلیات یعنی ابن عباس کبھی لے لیا کرتے تھے دوسرون کے کلام ماسوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسے بعض سلف صالحین کی باتین یا قدیم زمانے کے حکما کا کلام یا بنی اسرائیل کے واقعات۔

یہ تو صحابہ کا حال تھا۔ اور جنھون نے صحابہ تک سند پہنچائی انکا بھی حال سن لیجئے۔

ابن الحجر نخبتہ الفکر مین کہتے ہین۔

یاخذ حدیثا ضعیف الاسناد فیرکب لہ اسنادا صحیحا۔ یعنی کسی لغو روایت کی اسناد ضعیف پاتے تو اسکو سند سے ترکیب دے ڈالتے۔

اور فتح الباری شرح بخاری مین جس مقام پر رجال وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ تسلیم کیا ہے کہ:۔

"کچھ تعجب نہین کہ ان لوگون نے باوجود ثقات ہونے کے ان مضامین کو اہل کتاب کے بعض کتابون سے لیا"

ابن خلدون نے اس سے بھی زیادہ صراحت کر دی ہے کہ:۔

"جو لوگ یہودی تھے جب مسلمان ہوئے تو جن باتون کی احکام شریعت سے احتیاط کیجاتی ہے تعلق نہ تھا مثلاً ابتدائے خلق اور قرب قیامت کی نشانیان اور حبثون کی خبرین وہ سب انکی وجہ سے مسلمانون مین ہتک رہ گئی (المقدمہ فی التفسیر)"

نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح ترحدیثون بہ مین قصص ہوشربا۔ زمانہ ماضیہ کے عجیب وغریب واقعات۔ زمین کی پیدائش اسکا قیام۔ زلزلہ۔ پہاڑ۔ درخت حیوانات انسان کی پیدائش کے حیرت افزا حالات۔ آسمان چاند وسورج عرش کرسی لوح محفوظ۔ فرشتون بادلون۔ بجلی۔ رعد کی داستانین۔ قبر کا عذاب و ثواب۔ میزان۔ پل صراط دوزخ وجنت حور و قصور کے حیرت افزا کرشمے

معراج آسمانی۔ معجزات پیدائش ونزول جیسے۔ دجال مہدی۔ صحابہ اور اہل بیت کے مناقب اور مثالب۔ اور انکی مذمت وقیامت کی پیشگوئیان۔ بادشاہون کے جور وستم اور انکی برائیان۔ قربانی اور اسکا ثواب۔ حلال وحرام جانور۔ حد زنا۔ پاکی وناپاکی اور ارکان دین کی باریکیان۔ جہل شرعی۔ غرض جسقدر خرافات اہل کتاب کا قرآن نے نظر انداز کر دیا تھا ان سب سے حدیث فقہ اور تفسیر پٹ گئی۔ اور آج ہم اگر چاہین کہ حقیقت کے چند دانے اور رسول اکرم کی درخشان صورت کے چند انفاظ سارے بھس مین سے چند دانہ گندم فراہم کرلئے تو اسکی توفیق کے لئے دقت وعقل درکار ہے۔ جسکا سب سے زیادہ کال ہمارے عوام مین ہے یا علماء مین۔ خلاصہ یہ ہے کہ فقہ اور حدیث۔ یہودیت کی طرف اسلام کی مکمل رجعت قہقری ہے اور یقیناً یہ دونون چیزین ناسخ ومحرف قرآن ہین اور کم سے کم میری ہمت نہین پڑتی کہ انگریزی پبلک کے ہاتھون مین کوئی حدیث وفقہ یا تفسیر کی کتاب دیسکون یا اسکے بعد مجھے یہ امید باقی رہیگی کہ وہ اسلام کو قبول کریگا یا اسکو ترک نہ کردیگا حد ہوگئی کہ حضرت عائشہ تین برس مین آنحضرت سے بیاہی جاتی ہین اور چھ سال مین ان سے ہم بستری ہوتی ہے۔ اللہ اکبر۔

مسلمانون کو قرآن کی رو سے قرآن کا سمجھنا اور صبح کے وقت تلاوت کرنا فرض ہے۔ ان قرآن الفجر کان مشہودا قرآن کے یہان پر نماز کے معنی لئے جاتے ہین۔ شاید یہ صحیح ہو کہ نماز مین قرآن کا پڑھنا ضروری ہے۔ لیکن اکثر مجھے یہ وہم ہوجاتا ہے کہ اگر ایک شخص صبح واقعی نصف پارہ قرآن کو دل لگا کر اور غور کرکے پڑھ لے تو کیا اسکی سب سے بڑی نماز نہ ہوگی۔

مین ٹرکی کے ایک شہر مین مقیم تھا۔ مجھ سے تھوڑی دور پر یہودیون کا ایک صومعہ تھا اور اسکے پاس ہی یعقوبی نصرانیون کا گرجہ یہ عجیب بات ہے کہ ان دونون کی نمازین صرف انھین اوقات مین ہوتی ہین جسکا ذکر قرآن مین ہے۔ یعنی قبل طلوع آفتاب۔ قبل غروب آفتاب اور عشاء۔ صبح کی نماز یہودیون کے یہان اس طرح ہوتی ہے کہ یہودیون کا امام جسکو معلم کہتے ہین توریت جو بجلی کی طرح لپٹی ہوتی ہے کھڑے ہوکر پڑھتا ہے اور تمام یہودی ننگے سر ہوکر اور احرام باندھ کر اپنے سامنے توریت کھول کر دیکھتے رہتے ہین۔ جب مین یہودیون کو اس طرح دیکھتا تھا تو میرے اوستاد مولوی اصغر حسین دیوبندی کا انالہ مسجد وا الا طریقہ میرے سامنے پھر جاتا تھا۔ اور مین میرا دل کہہ دیتا تھا کہ ان قرآن الفجر کان مشہودا کے معنی واقعی یہی ہین اگرچہ یہودیون کا معلم توریت کو نامعلوم زبان مین پڑھکر عبارت کا را مقصد ضبط کردیتا تھا کہ نہ وہ خود توریت سمجھتا تھا نہ اسکے سننے والے۔ لیکن مجھے ہمیشہ یہ خلجان رہا کہ عجمیون اور غیر حافظ قرآن کا نماز مین قرآن پڑھنا جبکہ قرآن کتاب مین ہے کیا اس طرح ممکن نہین کہ امام قرآن کو اپنے سامنے میز پر کھول کر حاضرین کی طرف منہ کرکے قراءت کے ساتھ پڑھے۔ اور پھر اسکے معنی وتشریح کرے جس طرح یہودی اور عیسائی اپنے معابد مین انجیل وتوریت کے ساتھ عمل کرتے ہین اور قرآن کے ختم کے بعد رکوع و سجدہ مین خدا کی تسبیح کے ساتھ نماز ختم کردی جائے۔ اور اسکے بعد خوش الحانی اور نغمہ کے ساتھ مناجات اور دعائین مانگی جائین۔ میرا خیال ہے کہ ارکان کی پابندی فرض عمومیت کا درجہ ہرگز نہین رکھتی۔ ورنہ نماز سوائے عرب قوم کے دوسرے کے لئے بالکل بے معنی ایسا بیٹھنا ہے جس مین مذہب کی روح اتنی ہی رہجاتی ہے جتنا بکرے کا گلا کاٹ کر قربانی کرین۔ واضح ہو کہ

التحیات خود ایک بدعت ہے جو نماز مین بعد کو زیادہ کی گئی اور حدیث سے ثابت نہین اور اس طرح سے بہت سے ارکان کا ائتلاف وحذف جو حنفیہ مین ہے۔ اسکی کوئی سند حدیثون مین نہین

یقیناً فقہ کی بنیاد ایسے منحوس ساعت مین اسلام مین پڑی کہ گویا وہی زوال اسلام کا پیش خیمہ تھا۔ ابتدائی عربون نے ملکی ضرورت کے لئے فقہ کو پیدا کیا مگر یہ غلطی تھی کہ ملکی ضرورت کو قرآن کے جواز مین پورا کیا جائے۔ ایک عظیم الشان سلطنت کے معاملات مین الامم کے لئے قرآن نازل نہین ہوا تھا۔ اور از بسکہ عرب بے مایہ قوم تھی۔ بجز اسکے کہ شام ومصر مین جسٹنین کے رومن لا اور عراق وعجم مین قانون ساسان کا سرقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا جائے۔ اور کوئی دوسری صورت انکی سمجھ مین نہ آئی اس مین انکو مدد دینے والے نو مسلم عجمی تھی۔ جنکو سب سے بڑی ضرورت اس بات کی تھی کہ اپنا کھویا ہوا قومی وقار حاصل کرے اور انہون نے اس ڈھب سے یعنی حامل فقہ بن کر فاتح عربون کو الو بنایا۔ اور خود اپنے تمام قومی افکار و روایات پر رسول اللہ صلعم کی مہر کرتے چلے گئے اور یہ مہر یرداران ایک دو نہین۔ لاکھون کرورون کی تعداد مین حشرات الارض کی طرح کوفہ۔ بصرہ مدینہ مین پٹے پڑے ہوئے تھے مین کبھی بھی اسکا قائل نہین کہ عربون نے دنیا مین کوئی بھی مافوق العادۃ ذہنی ترقی کی ہے۔ ترقی کرنے والے وہ تھے لیکن رگون مین تو نہ تھی عربی خون نہ تھا۔ عربون کو سیاسی وقومی مشاغل کہان فرصت دیتے تھے کہ وہ ذہنی ترقی کی طرف مائل ہوتے۔ فاتح قوم صاحب کئی قومون کے شیرازہ سے سلطنت بناتی ہے تو تجارتی وذہنی ترقی ہمیشہ محکوم قومون کے حصے مین آتی ہے عثمانیون کی ایک جدید مثال انکی تائید کرے گی اسلئے ہماری ساری شریعت اور حدیث وتفسیر کے بانی مبانی اہل عرب نہین بلکہ نو مسلم مجوسی۔ عیسائی۔ یہودی ہین۔ اور ان لوگون نے کیا کیا اپنے قومی ذخیرہ سے روایتون کو نکال نکال کر اسپر عربی رنگ چڑھاتے چلے گئے۔ اور آج اگر حدیث وفقہ کی تنقید کیجائے تو معلوم ہوگا شریعت موسوی سے لیکر قانون جسٹنین اور قانون انوشیروان سب کے انکار کا پرتو اس مین موجود ہے۔ مثال کے لئے عجم کی شاہ پرستی کو اس حدیث قدسی مین ملاحظہ کرو جو مسلمان ہر جمعہ کو خطبہ مین سنتا ہے اور جو قرآن کے حریت ومساوات کی بدترین تفسیر ہے

"السلطان ظل اللہ من الارض من اکرمہ اکرمہ اللہ ومن اہانہ اہانہ اللہ"

سید مقبول احمد

رسالہ جن

اگر آپ نے ابھی تک نہین خریدا تو اب توجہ فرمائیے۔ اسوقت تک جنوری۔ فروری۔ مارچ۔ اپریل کے رسالے نکل چکے ہین اور جو مضامین ان مین نکل چکے ہین اور نکلنے والے ہین وہ آپ اپنی نظر مین اس رسالہ سے زیادہ دلچسپ ورسالہ کوئی نہین ہو سکتا نمونہ مفت مل سکتا ہے سالانہ چندہ عہ ۔۔ ۶ ماہ کی خریداری منظور نہین ہو سکتی۔

"منیجر نگار"

قوالی

اسوقت یہ تحقیق مقصود نہین کہ یہ پیشہ کب سے رائج ہے، اس اختراع و ابداع کا سہرا ابراہیم لنکن کے سر ہے یا پنولین بوناپارٹ کے، کیونکہ اگر اس باب مین یہ قول صحیح سمجھ لیا جائے کہ "بگڑا گویا قوال اور بگڑا شاعر مرثیہ گو" تو پھر قوالی اور مرثیہ گوئی کو اتنا ہی قدیم ماننا پڑیگا جتنا موسیقی و شاعری کو، یہ بات اور ہے کہ ان کے یہ اصطلاحی نام بعد کو وضع ہوئے ہون اسوقت اسکی لسانی تحقیق بھی مراد نہین کہ یہ باب "قال یقول" کا صیغۂ مبالغہ ہے اور ایک گانیوالے کیلئے اسکا استعمال بالکل اسیطرح غلط ہوتا ہے جیسے بقال کا، کہ بقال اصل مین ترکاری بیچنے والے کو کہتے ہین لیکن اب وہ عام طور پر بنئے کے معنی مین بولا جاتا ہے، بلکہ مدعا یہ ہے کہ اس جماعت یا زیادہ صحیح لفظ مین اس طائفہ کے غنائی و فکاہی پہلو کا انکشاف کیا جائے۔

لفظ قوالی ایک ایسا لفظ ہے جو ایک ہی وقت مین دو مفہوم کو مشتمل ہے ایک وہ جسکا تعلق محض موسیقی سے ہے یعنی قوالی بول کر ایک مخصوص لحن ایک مخصوص برگ و ساز کے ساتھ گانا بجانا مراد ہوتا ہے۔ اور دوسرے وہ محفل اجتماع، یا "احتفال درویشانہ" جہان اس قسم کی صحبت برپا ہوتی ہے۔

جب گانے کے جواز یا عدم جواز پر بحث ہوتی ہے تو مولوی اکثر و بیشتر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ نفس غناء تو جائز ہے لیکن مزامیر کے ساتھ ناجائز ہے اور مزامیر کے معنی وہ بتاتا ہے "تار والے ساز" جیسے، سارنگی، ستار، قانون، بربط، وغیرہ۔ حالانکہ زبور مین جہان غناء داؤد کا ذکر آیا ہے وہان مزامیر داؤد لکھا ہے اور یہ امر ثابت ہے کہ جناب داؤد صرف بانسری بجاتے تھے اور مزامیر داؤد سے مراد اُن کے وہ تمام ترنمات ہین جو بانسری سے پیدا ہوتے تھے اسی لئے عربی زبان مین زمیر صرف اچھی آواز کو کہتے ہین اور زمور خوبصورت لڑکے کو، زمارہ بانسری کے معنی مین آتا ہے اور مزمار ہر اُس آلہ کو کہتے ہین جس سے اچھی آواز پیدا ہو

پھر جب ہر وہ آواز جو کانون کو بھلی معلوم ہو جو دل کو خوش کرے لغتاً "مزامیری وعید" کے تحت مین آتی ہے تو بے مزامیری گانیکے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہین یعنی وہ گانا جس سے دل کو وحشت ہو، جس کے سننے سے سامعہ کے پردون مین تشویش پیدا ہو اور جو تھوڑی دیر کے بعد ایک انسان کو کانون مین انگلی دیکر بھاگ جانے پر مجبور کرے، اگر کوئی مثال دون تو کہہ سکتا ہون کہ جیسے ہمارے آسی صاحب، افسر صاحب، اور امین صاحب، کا مشاعرہ مین غزل پڑھنا، کہ اس لحاظ سے اُن کو بہترین قوال ماننا پڑیگا اگر قوالی نام واقعی اس غنا کا ہے جو مطلقاً کوئی مزامیری کیفیت نہین رکھتا اور جسے دلکشی سے کوئی لگاؤ نہین ہے۔ "پوچ گو، نعت گو" مشہور مقولہ ہے اسکے ساتھ یہ اضافہ بھی ہونا چاہئے کہ "پوچ سرا، قوالی سرا" کیونکہ اسطرح ہم اصولاً قوالی کے مفہوم کی کوئی تعیین تو کر سکین گے اور اگر کوئی قوالی کی تعریف پوچھے گا تو ہم کہہ سکین گے کہ "قوالی نام ہے موسیقی کی نعت گوئی کا" اور یون بھی چونکہ ایسی محافل مین اکثر نعتیہ غزلین پڑھی جاتی ہین اس لئے یہ توجیہہ و تصریح زیادہ برمحل و قریب حقیقت ہوگی۔

موسیقی کی ابتدا کیونکر ہوئی - اس سلسلہ مین ہندوؤن کے ناہد وانا ہد کے جھگڑے، یا کسی مسلمان بزرگ کا یہ کہنا کہ انھون نے روز الست جو آواز سنی تھی وہ لحن پوربی مین تھی، یا کسی فلسفی کا یہ دعوی کہ گردش سیارگان کی آواز سے اُس نے اصول غنا مرتب کئے یہ سب ہماری سمجھ سے باہر ہین لیکن یہ یقینی ہے کہ ارتقاء تمدن کے سلسلہ مین جس طرح اور باتون مین مرد عورت دونون برابر کے شریک ہین اسیطرح موسیقی کی ایجاد و اختراع مین بھی دونون کی کاوشین شامل ہین فرق یہ ہے کہ مرد جب باہر جنگل مین حصول غذا کے لئے جاتا تھا تو اُسے درندون کی ہیبت ناک صداؤن، اپنے آلات اور چٹانون کے آہنی و حجری تصادم کی خشن آوازون سے واسطہ پڑتا تھا جنھون نے اسکو اصول موسیقی کی ترتیب مین مدد دی، اور عورت غار کے اندر جھونپڑون کے نیچے یا چمڑے کے خیمون مین اُن چڑیون کی آوازین سنا کرتی تھی جو پاس کے چشمون پر آآ کر پانی پیتی تھین - اور وہین قریب کے درختون پر بیٹھ کر عورت کی تنہائی اور صحرائی سکوت کو شیرین نغمون سے معمور کرتی رہتی تھین جن سے عورت نے اپنے گیت بنائے، بچو اب مچلنے والے بچون کو سنا سنا کر اُن کی روح مین سکون و راحت کی کیفیت پیدا کی اور رات کے وقت، دن بھر کی محنت سے خستہ ہو کر پڑ جانیوالے مرد کے دل کو صبح کیلئے نئے ولولۂ عمل سے لبریز کیا، پھر چونکہ عورت کی تخلیق، اسکے گلے کی ساخت صرف لچیلی، نرم اور شیرین ہی آواز پیدا کر سکتی ہے اس لئے اسکی یہ کوشش زمیر ہو گئی اور مرد اپنے گلے سے بھاری موٹی آواز نکالتا ہے اسلئے اسکی یہ سعی نفیر[1] ہو گئی - یہی وجہ ہے کہ مولویون اور صوفیون کی مجالس مین کبھی عورت کا گانا نہین ہوتا کیونکہ اسکا گانا مزامیری ہے اور غناء بالمزامیر حرام ہو ہی چکا ہے - بلکہ صرف مرد کا چیخنا پسند کیا جاتا ہے کیونکہ اس مین زمیر کا کہین پتہ نہین اور ممکن ہے یہ سب کچھ اس لئے بھی ہو کہ آدم کا انتقام حوا کی بیٹیون سے لیا جائے لیکن بظاہر اسکا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ صوفیہ کے یہان دل خوش کرنیکے بجائے دل دکھانا زیادہ پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اسلئے انھون نے اپنی محفل مین یہ مشغلہ مرد کے سپرد کیا اور شاعری کا جو حصہ اس مین شامل کیا وہ بھی اُسی "پوچ گو" قسم کا۔

اسلئے اب اس تمام بحث کے بعد قوال کی جو تعریف بھی کیجائے لیکن یہ یقینی ہے کہ اُسکا گانا کسی طرح ناجائز نہین ہو سکتا - اور جب انسان فطرت کی یکسانی سے گھبرا کر یکسانی سے گھبرا کر بیدگی خاطر پیدا کرنا چاہے تو منجملہ دیگر تدابیر کے قوالی بھی اسکی ایک کامیاب تدبیر ہے

قوال کی محفلین خواہ کسی خانقاہ مین ہون یا کسی "مرشد خانہ" مین اُسکے اصول تہذیب و ترتیب ایک ہی ہوتے ہین - یعنی زمین پر جہان رنگ برنگ کی بوسیدہ دریان اور ایک آدھ کیف سی چاندنی بچھی رہتی ہے ایک جانب گاؤ تکیہ رکھدیا جاتا ہے جس کے سہارے سے خانقاہ کے متولی یا صاحب سجادہ ایک خاص ادائے مغانہ سے دو زانو یا چار زانو ہو کر بیٹھ جاتا ہے دونون جانب ارادتمندون یا سامعین کی جماعت مین کچھ "می پرانند" قسم کے افراد شامل ہوتے ہین اور کچھ حال لانے کے لحاظ سے "می پرند" قسم کے - وضع قطع کے تنوع کے لحاظ سے بھی یہ ہجوم اچھا خاصہ "حدیقۃ الحیوانات" ہوتا ہے جہان معدوم (Extinct) حیوانات (مثلاً میتھ سیمرغ وغیرہ) سے لیکر سارس، بُد بُد تک کے نمونے نظر آتے ہین بعض کی داڑھیان "خاکروب" قسم کی ہوتی ہین بعض کی زمین دوز" اور بعض کی بالکل ایسی کہ وقت ضرورت ان سے مزار پر سپیدی پھیرنے (white wash) کا کام نہایت خوبی سے لیا جا سکتا ہے۔

لباس مین نیم ساقی کمانی دامن پاجامہ رنگین محرابی تہمد اور شملہ بمقدار جبل والا عمامہ یہان کے علم مناظر ہین لیکن قابل ذکر وضع ایک تو اُس

---

[1] یہ اور نفرت ایک ہی مادہ کے لفظ ہین

جماعت کی ہو جو "احرام بند" کہلاتی ہو اور ایک ہی چادر ہین جو حسب توفیق دو لو لر ریشمی بھی ہوتی ہے) جسم کے بالائی و زیرین حصہ دونون کو ملفوف کر لیتی ہے اس جماعت کے نوجوان باعتبار زیبائش و آرائش اس انداز کے بھی دیکھے جاتے ہین جو وجد کیوقت بقول عرفی

چون عروسانِ ہند در دمِ رقص — از خمِ گیسوش چکد روغن

کا سمان پیش کرتے ہین اور شہر کے اُس حصہ مین جو چوک کے نام سے موسوم ہے اپنی کارگاہ ولایت کو زیادہ کامیابی کیساتھ قائم کر سکتے ہین۔ دوسری قابل ذکر جماعت وہ ہے جسے "سدا سہاگ" کہتے ہین، ان کے ہاتھو نمین چوڑیان کان مین بالیان، پاؤن مین گھونگھرو، سر پر دوپٹہ، آنکھ مین کاجل، ہونٹون پر مسّی سینہ پر چولی، چوٹی مین موباف، سبھی کچھ نظر آتا ہے گویا درحقیقت تصرف کا یہ مزامیری عنصر ہے جو جنت سے نکلنے کے غصہ مین حوا کی بیٹیون سے انتقام لینے کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ خدا کی یہ مخلوق (جسکو نہ مرد کہہ سکتے ہین نہ عورت رجونہ خنثا مفرد ہو نہ خنثاء مشکل) جسوقت مرغ زرین بنی ہوئی محفل سرود مین تال سم کیساتھ گھونگھرو کی جھنکار پیدا کرتے ہوئے انتہائی جوش کے عالم مین رقص کرتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مرد کی ساری جنس اسوقت بحر او قیانوس مین ڈوب مرنے کیلئے بیتاب ہے

قوالو نکی جماعت جو اکثر و بیشتر معمولی طبقہ کی پیداوار ہوتی ہے نہ بلحاظ صورت قابل لحاظ ہوتی ہے نہ باعتبار سیرت۔ جاہل ہونا اسکی اولین خصوصیت ہے اور انسان ہونا بالکل آخری، اس طائفہ کی ترتیب کم از کم تین افراد پر مشتمل ہے ایک ہارمونیم نواز یا ستار نواز جو سر خیل کی حیثیت رکھتا ہے دوسرا اسکا معاون جو اکثر کوئی نوجوان یا کمسن لڑکا ہوا کرتا ہے اور تیسرے وہ حضرت جو ڈھولک کے مالک ہوتے ہین اور جنکی گردن کی جنبش، چہرے کے اعصاب کا تناؤ، چشم و ابرو کی متنوع الزوایا کشش ایک محقق کیلئے پوری لیبوریٹری (Laboratory) کی حیثیت رکھتی ہے "سر خیل طائفہ" اصولاً کسی باعی سے ابتدا کرتا ہے جو جماعت صوفیہ مین بالکل "حقانی" ہوتی ہے اور اسکے بعد وہ خسرو حافظ یا جامی کی کوئی غزل شروع کرتا ہے جس کے سمجھنے والے محفل مین زیادہ تر اس حیثیت کے ہوتے ہین کہ جسوقت "مانی خوا اسیم ننگ و نام را" قوال کے منھ سے نکلتا ہے تو وہ تہمد اتار کر "ننگے" ہو جاتے ہین اور دی و فردا کا فرق مٹا کر رقص مین مصروف اس سے اندازہ اس وجدانی کیفیت کا ہو سکتا ہے جو اشعار کے مفہوم سے متعلق ہوتی ہے ورنہ یون ڈھولک، ستار اور تالیون کی آواز سے جو ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اسکو دیکھتے ہوئے "بہ آواز دولاب مستی کنند" پر کب اعتراض کی گنجایش ہو سکتی ہے۔

صاحب سجادہ یا خانقاہ کا متولی جو سوقت ساری محفل کا "مالک الملک" ہوتا ہے بہت کم وجد مین آتا ہے، کیونکہ اہل کمال صوفیہ کے نزدیک بیتابی و بے اختیاری کا اظہار سلوک کی خامی کی دلیل ہے اور ایسے "پختہ کارون" کے یہان خامی کا کیا ذکر! اسمین شک نہین کہ صاحب خانقاہ کی ذمہ داریان بہت ہین، مہمانون کی ضیافت ہم مشرب لوگون کی مدارات، قوالون کی رخصتی اگرچہ چادر وغیرہ کی رسمین یہ سب زر طلب باتین ہین اور نذر و نیاز وغیرہ سے جو کچھ ملتا ہے وہ سب اسمین صرف ہو جاتا ہے، لیکن سب سے زیادہ قابل تعریف ایثار وہ ہے جو محفل سماع مین اسکی طرف سے ظاہر ہوتا ہے کہ چارون طرف سے لوگ اُٹھ اُٹھ کر اسکے سامنے نذر پیش کرتے ہین اور وہ یہ جو تھا حصہ بھی "حق سجادگی" کا نہین کاٹتا اور سب کا سب قوالون کو دیدیتا ہے۔ یہ جوش ولایت! یہ زور تہمتنی! معلوم نہین ان حضرات کے دست و بازو زخم چشم سے کیونکر محفوظ رہتے ہین

یہ تھا ایک مجموعی و اجمالی بیان اس نوع کے محافل کا، اب جو مختلف خانقاہون مین مختلف خصوصیات پائی جاتی ہین وہ مستقل مقالات کی مقتضی ہین اس دوران مین اودھ کی ایک نہایت مشہور خانقاہ مین مجھے جانیکا اتفاق ہوا تھا اور ممکن ہے کہ کسی آیندہ اشاعت مین وہان کے جزئی حالات سے بحث کرون۔

مومن وکلام مومن

(بہ سلسلہ سابق)

علوم اور مومن پہلے لکھا جاچکا ہے کہ شاعر کا شعر اس کے علوم و فنون، طبیعت اور رنگ زمانہ سے متاثر ہوتا ہے، مومن کے علوم کو ان کی غزل مین دیکھئے اور قدرت بیان کی داد دیجئے۔

قرآن وحدیث

کیون سنے عرض مومنِ مضطر   صنم آخر خدا نہین ہوتا

اس شعر مین قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے یجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ اور اس آیت کی طرف لفظاً جس کا مقصود یہ ہے کہ خدا مضطر کی سنتا ہے

خدایا ہاتھ اُٹھاؤن عرض مطلب سے بھلا کیونکر   کہ ہے دست دعا مین گوشہ دامان اجابت کا

اس شعر مین آیت لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اور اس کے ہم معنی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

فلسفہ

آخر امیدہی سے چارہ حرمان ہوگا   مرگ کی آس پہ جینا شب ہجران ہوگا

یہ ایک مسئلہ ہے کہ انتہا کے بعد پھر ابتدا ہوتی ہے، انتہاے ناامیدی کے بعد امید پیدا ہوتی ہے، غالب نے اس کو ان الفاظ مین بیان کیا ہے۔

منحصر مرنے پہ ہو جسکی امید   ناامیدی اسکی دیکھا چاہئے

غالب کو بیان فلسفہ کے لئے مناسب الفاظ نہین ملے، جہان کہین ملے ہین مسئلہ کو چیستان کے اشعار بنا دیئے ہین "مومن" نے دونون سے اپنے بیان کو محفوظ رکھا ہے نہ تو ابتذال آنے دیا ہے اور نہ اطلاق۔

تونے جو قہرِ خدایا دولایا مومن   شکوۂ جور بتان دل سے فراموش ہوا

ایک مسئلہ ہے کہ ایک وقت مین صرف ایک ہی خیال ہوسکتا ہے، اس کا بیان ہے

نجوم

دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب   تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

حکمت وطب

جنون کے جوش سے بیگانہ وار مین احباب   ہمارا حال وطن مین ہوا سفر کا سا

سودا اور جنون سے کچھ تمیز نہین رہ جاتی

درد ہے جان کے عوض ہر رگ وپے مین ساری   چارہ گر ہم نہین ہونے کے جو درماں ہوگا

اسی طرح ضمنی طور پر اور بھی علوم و فنون آگئے ہین جن کا ذکر طوالت پیدا کردیگا

موازنہ دعوے کی دلیل مستحکم کرنے کے لئے موازنہ ضروری چیز ہے سب سے پہلے "مومن" کا موازنہ میر سے کرکے دیکھنا

چاہے کہ "مومن" اپنے انداز مین رب النوع استاد شاعران "میر" کے مقابلہ مین کہانتک کامیاب اور سرسبز ہوے ہین۔

اس حقیقت سے انکار نہین کیا جاسکتا، کہ "میر" نے "غزل" مین خاص رنگ پیدا کرکے اس کو متعلق فن بنایا ہے اس کے تسلیم مین بھی پس وپیش نہین ہوسکتا کہ "مومن" نے اس فن کو آسمان عروج کا آفتاب بناکر اردو کے ذرّون پر کسب ضیا کے لئے احسان عظیم کیا ہے۔

میر و مومن

میر

گرمی سے مین تو آتش غم کے پگھل گیا　راتون کو روتے روتے ہی جون شمع گل گیا
ہم خستہ دل ہین تجھسے بھی نازک مزاج تھے　تیوری چڑھائی تو نے کہ یان جی نکل گیا
گرمی عشق مانع نشو و نما ہوئی　مین وہ نہال تھا کہ اوگا اور جل گیا
مستی مین چھوڑ دیر کو کعبے چلا تھا مین　لغزش بڑی ہوی تھی ولیکن سنبھل گیا
عریان تنی کی شوخی ہے دیوانگی مین میرؔ
مجنون کے دشت خار کا دامن بھی جل گیا

مومن

چھوڑا تھا دل نہ تھا یہ موے پر خلل گیا　جب ٹھیس سانس کی لگی دم بھی نکل گیا
اُس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی　کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
جون خفتگان خاک ہے اپنی فتادگی　آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا
اس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل　مین کوچۂ رقیب مین بھی سر کے بل گیا
بتخانے سے نہ کعبے کو تکلیف دے مجھے
مومنؔ بس معاف کہ یان جی بہل گیا

پہلے شعر مین "میر صاحب" نے آمد کے رنگ مین رات ہی بھر مین آتش غم سے گھل گھل کر شمع کی طرح تمام ہوجانیکو کہا ہے "مومن" نے اپنا "سخت دل" پیش کیا ہے لیکن اہتمام اور ہمت دیکھئے بہترین سلیقے اور اسلوب سے موتیون کی طرح مالے مین پرو کر، اب دونون کا فرق ظاہر ہے یہی مناسبت تمام غزل مین قائم ہے۔

(۲)

میر

لبریز شکوہ تھے ہم لیکن حضور تیرے　کار شکایت اپنا گفتار تک نہ پہونچا
بے میشم نم رسیدہ پانی چوانے کوئی　وقت اخیر اس کے بیمار تک نہ پہونچا
یہ بخت تیرہ دیکھو باغ زمانہ مین ہے　پژمردہ گل بھی اپنے دستار تک نہ پہونچا

مومن

اللہ رے ناتوانی جب شدت قلق مین　بالین سے سر اُٹھایا دیوار تک نہ پہونچا
مفت اول سخن مین عاشق نے جان دیدی　قاصد بیان تیرا اقرار تک نہ پہونچا

(۳)

تیسری غزل مین مشترک قوافی کو سامنے رکھ کر فرق دیکھنا چاہیئے۔

میر

کبھی نہ بادِ صبح کہ آکر اُٹھا دیا　　اس فتنۂ زمانہ کو ناحق جگا دیا

پوشیدہ رازِ عشق چلا جائے تھا سو آج　　بے طاقتی نے دل کے وہ پردہ اُٹھا دیا

تکلیف دادِ دل کی عبث ہمنشین نے کی　　دردِ سخن نے میر سبھون کو رولا دیا

مومن

چار ان کے بدلے مجھ کو زمین پر گرا دیا　　اس شوخ بیحجاب نے پردہ اُٹھا دیا

فرماتے ہین وصال ہے انجام کارِ عشق　　کیا ناصح شفیق نے مژدہ سنا دیا

اشک فغان کی ہائے رقیب آفرینیان　　محشر نے خفتگان زمین کو جگا دیا

ہمدم دکھا ایلے مین کو کثتی ہے کہ رحم آگئے　　ناصح کو میرے حالِ زبون نے ڈبا دیا

ایسی غزل کہی ہے کہ جھکتا ہے سب کا سر
مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

ان دونون غزلون کے فیصلہ کی ضرورت نہین صاحب نظر اس مین خود فرق نکال سکتے ہین۔

مومن کا ایک لفظ

"مومن" نے اپنی ایک مرصع غزل مین لفظ "گویا" اس طرح استعمال کیا ہے

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہین ہوتا

ترازو کے ایک پلے مین اس لفظ کو رکھیے اور دوسرے مین "میر" کی یہ غزل جس مین "گویا" ردیف ہے

غنچہ ہے وہ دہان ہے گویا　　ہونٹھ پر رنگ پان ہے گویا

میرے مردے سے بھی وہ چونکتے ہین　　ابتلک مجھ مین جان ہے گویا

حیرتِ روے گل سے مرغ چمن　　جب ہی یون بیزبان ہے گویا

مسجد ایسی بھری بھری کب ہے　　میکدہ اک جہان ہے گویا

بسکہ ہین اس غزل مین شعر بلند　　یہ زمین آسمان ہے گویا

وہی سوز مزاج شب مین ہے　　میر اب تک جوان ہے گویا

انصاف سے بتائیے کہ وزن کس کا زیادہ ہے، حالانکہ "مومن" کا "گویا" "میر" کے بعد ہے لیکن "مومن" نے اپنی کرشمہ کار دل سے ایک لفظ کو ایسا "موتی" بنایا ہے جس کے وزن کا موتی بڑے بڑے جوہریون کے جواہر خانہ مین نہین۔

مومن و غالب

مسلم الثبوت، حکمت استاد سے موازنے کے بعد معاصرین سے مقابلہ کی بھی ضرورت ہے، یہ ظاہر ہے کہ میر کا زمانہ اور تھا اور مومن کا اور اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ کے اعتبار سے دونون کی شاعریان متاثر

ہوئین معاصرین کے ساتھ موازنہ اور مقابلہ مین "مومن" کا جوہر ہر اعتبار سے کھل جائیگا۔

ہمارے خیال مین جو زمانہ "مومن" کو ملا تھا وہ شاعری کے کمال کا زمانہ تھا۔ بڑے بڑے محقق اور فاضل ہستیان اسوقت موجود تھین ذوق اور غالب کے ایسے استادون کے سامنے فروغ پانا مشکل اور دشوار بات تھی۔

ان شاعرون کے علاوہ علوم معانی و بیان۔عروض و قوافی، ادب و انشا کے بڑے بڑے ماہرین موجود تھے مفتی صدر الدین آزردہؔ جس پائے کے شاعر تھے اس سے زیادہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے فاضل تھے ان کے سامنے شعرائے عصر زانوے ادب تہ کرتے تھے، لیکن "مومن" نے ان فضلاے زمانہ سے داد تحسین و خراج آفرین وصول کیا تھا ان مین غالب اور ذوق کا مرتبہ یکے بعد دیگرے بہت بلند تھا۔

غالب کی ان دو معرکتہ الآرا غزلون سے مومن کی غزلون کا حسب ذیل موازنہ ہے، جو غالب کے زمانے ہی مین بہت مشہور ہو چکی تھین۔

ان غزلون کے مشترک قوافی خاصکر قابل غور ہین۔

غالب

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب مین — کافر ہون۔گر نہ ملتی ہو راحت عذاب مین
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھون — مین جانتا ہون جو وہ لکھین گے جواب مین
مین اور خط وصل خدا ساز بات ہے — جان نذر دینی بھول گیا اضطراب مین
غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی — پیتا ہون روز ابر و شب ماہتاب مین

مومن

تاثیر صبر مین نہ اثر اضطراب مین — بیچارگی سے جان پڑی کس عذاب مین
کہتے ہین تمکو ہوش نہین اضطراب مین — سارے گلے تمام ہوے اک جواب مین
بے نالہ منہ سے جھڑتے ہین بے گریہ آنکھ سے — اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب مین
ناکامیون سے کام رہا عمر بھر ہمین — پیری مین یاس ہے جو ہوس تھی شباب مین
کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہین — بے بادہ مست ہون مین شب ماہتاب مین

غالب کی غزل کا پہلا شعر دیکھئے، مصرعہ اول مین الفاظ کی مشکل بندی نار۔التہاب نے شعر کو "تغزل" کی آہ سے گرا دیا ہے "ملتی ہے خوئے یار سے" ترکیب نار اور التہاب کی مناسبت ہے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ "غزل کے لئے الفاظ اور معانی مین عذوبت ترکیب مین سلاست ہونا چاہئے وہ غالب کے اس شعر مین مفقود ہے

مومن کا پہلا شعر اس کے مقابلہ مین دیکھئے۔

جذبات عشق کے اعتبار سے کسقدر مناسب اور موزون الفاظ لائے ہین۔

معنوی اعتبار سے "مومن" کے شعر سے غالب کو کوئی مناسبت نہین غالب کہتا ہے کہ عذاب مین اس لئے راحت ہے کہ اس مین دوست کی خو ہے، اس اتنے مضمون کے لئے الفاظ کا پہاڑ اٹھایا ہے

"مومن" کہتا ہے کہ صبر اور اضطراب دونون بیکار ہین گویا کہ ارتفاع نقیضین کو مومن نے ثابت کرنا چاہا ہے، جب یہ صورت ہو کہ نہ تو صبر کرنے سے اور نہ اضطراب سے کچھ حاصل ہو تو اسوقت جان پر کیسا عذاب ہوتا ہے

لفظ بیچارگی نے اس شعر مین وہ کام کیا ہے جو جسم مین روح کرتی ہے، اس کی بلاغت پر جتنا غور کیجئے گا شعر مین لطف پیدا ہوتا جائیگا جواب کے قافیے مین غالب صاحب قاصد سے آنے سے پہلے ایک خط اور لکھ لینا چاہتے ہین، "مین جانتا ہون جو وہ لکھین گے جواب مین مفہوم اور مضمون بطن شاعر مین ہے

"مومن" نے کسقدر بلیغ مضمون ادا کیا ہے کہ "کہتے ہین تمکو ہوش نہین اضطراب مین، اس نتیجہ کو اس طرح رکھا ہے کہ مقدمات خود سمجھ مین آتے ہین۔ یہ "جواب" ایسا لاجواب ہے کہ پھر کچھ کہنے کی گنجایش نہین

تیسرا شعر اضطراب کے قافیہ کا ہے۔

غالب کا منشا یہ ہے کہ قاصد نے آکر یا خود معشوق نے وصل کا مژدہ سنایا یا وصل حاصل ہوا (کچھ صاف نہین) یہ صورت خدا ساز ہوی ہے۔ اس خوشی مین جان نذر کرنا تھا لیکن اس کو مین بھول گیا، پورے شعر مین اگر اپنی طرف سے الفاظ اور عبارات کا اضافہ نہ کیجئے تو شعر چیستان بنا رہتا ہے۔

"مومن" کہتا ہے کہ دل کے ٹکڑے نالہ بنکر منہ سے اور آنکھ سے نکل رہے ہین اس کو دیکھنا چاہئے پوچھنے کی ضرورت نہین بے گریہ آنکھ سے؟ اس لئے کہا کہ بجائے اشک دل کے ٹکڑے نکلتے ہین جھڑنے کی لفظ سے پھول جھڑنے کی طرف بھی لطیف اشارہ ہوتا ہے، اب دونون کا فرق ظاہر ہے

غالب کے بیان محذوفات نے شعر کو "راز" بنایا ہے "مومن" مختصر الفاظ مین صفحہ کے صفحہ کی داستان رنگین بیان کردی ہے

ماہتاب کے قافیے مین "مومن" کا شعر غالب کے شعر سے اتنا بلند ہے کہ دونون مین کوئی مناسبت نہین

غالب نے واقعہ بیان کیا ہے "مومن" نے دل با تصویر کھینچی ہے شباب کے قافیہ مین "مومن" نے ناکامیون کا عجیب و غریب فلسفہ بیان کیا ہے، اب دوسری غزل بھی قابل غور ہے۔

غالب

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گمان نہین ۔۔۔ اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز ۔۔۔ نامہربان نہین ہے اگر مہربان نہین

ہرچند جانگدازیٔ قہر و عتاب ہے ۔۔۔ ہرچند پشت گرمیٔ تاب و توان نہین

پاتا ہون اس سے داد کچھ اپنے سخن کی مین ۔۔۔ روح القدس اگرچہ مرا ہمزبان نہین

مومن

اظہار دوستی کی خوشی کیا شب وصال — دشمن سے سن چکا ہون کہ تو مہربان نہین
پیش عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا — قابو مین دل نہین مرے بس مین زبان نہین
کرتے وفا امید وفا پر تمام عمر — پھر کیا کرین کہ اس کو سر امتحان نہین
ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا — بس اے خرام ناز کہ تاب و توان نہین

ان دونون غزلون مین صرف مشترک قوانی لکھے گئے ہین، تنقید کی ضرورت نہین، معیار بتایا جا چکا ہے، اب فیصلہ ان کے ہاتھ مین ہے جو انصاف کے ساتھ فیصلہ و تحیص کر سکتے ہین۔

غالب پرست، غالب کے دوسرے شعر کی بہت تعریف کرتے ہین ان کو چاہئے کہ " مومن " کے اس قافیہ پر غور کرین، غالب کے شعر مین اشکال پسندی اور دقت نظری کے بعد بھی معمولی مضمون کے سوا کچھ نہین

" مومن " کس وقت اور کس کی زبان سے معشوق کی، مہربانی کا حال سنا ہے اور اس کو کس انداز مین بیان کیا ہے، بلاغت کی مثال کے لئے یہ شعر سند ہے

ذوق و مومن

غالب کے اغلاق اور مشکل پسندی سے موازنہ کرنے کے بعد ذوق کی سلاست اور روانی سے بھی مقابلہ کرنا چاہئے۔

ذوق

خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب مین — کیا جانین لکھدیا اسے کیا اضطراب مین
یان لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب مین — وان ایک خامشی تری سب کے جواب مین
بے بادہ عورگی ہیں ہوا ذوق چون مویز — کی توبہ بیوقوف نے ناحق شباب مین

" مومن نے اس ردیف اور قافیہ مین جو کچھ لکھا ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہین ذوق کے اشعار پر اظہار خیال کافی ہے۔

ذوق نے صرف تین ہی شعر لکھے ہین، ان مین دو اپنے رنگ مین بہتر ہین، تیسرے شعر مین الفاظ " عورگی " " چون مویز " کے ندرت اور نقص ترکیب کے علاوہ معنوی کوئی خوبی پیدا نہین ہوئی۔

" مومن " نے اپنے ہر شعر مین " تلاش " " مضمون آفرینی " " طرز ادا " " اسلوب بیان " سے تغزل کا گلستان طیار کر دیا ہے۔

ذوق

مزے یہ دل کے لئے تھے نہ تھے زبان کے لئے — سو ہمنے دل مین مزے سوزش نہان کیلئے
نہین ثبات بلندی عز و شان کے لئے — کہ ساتھ اوج کے پستی ہے آسمان کیلئے
ہزار لطف ہین جو ہر ستم مین جان کے لئے — ستم شریک ہے ہوا کون آسمان کیلئے

نہ چھوڑ تو کسی عالم مین دوستی کہ یہ شے عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جوان کیلئے
بنایا آدمی کو ذوق ایک مرد ضعیف اور اس ضعیف سے کل کام دو جہان کیلئے

مومن

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جان کے لئے سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہان کے لئے
ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پر کیا کیا وگرنہ خواب کہان چشم پاسبان کے لئے
بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے ہوے ہمین بھی دینی تھی جان اسکے امتحان کیلئے

ذوق نے اس بحر مین ۲۶ شعر اس انداز کے کہے ہین، ذوق نے اپنی غزلون مین بیشتر اخلاقی شعر کہے ہین! اکثر اشعار ایسے بھی ہین کہ ان کا ہونا جذبات تغزل کے سلسلہ مین بہتر معلوم نہین ہوتا، مثلاً چوتھا شعر اس کو تغزل کے ساتھ کوئی مناسبت نہین "مومن نے اپنے تمام دیوان مین سلسلہ لفظ و تغزل کو ہر جگہ پیش نظر رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے دیوان مین اخلاقی اشعار کم ہین، یہی حال اور علوم و فنون کا ہے، جہان کہین اخلاقی اشعار ضمناً آگئے ہین ان مین وہ لفظ موجود ہے "مومن" نے اس کا اہتمام کیا ہے کہ معاملات حسن و عشق مین دوسرے مسائل اور معاملے آنے نہ پائین، حقیقت بھی اسکی مقتضی ہے۔

غور سے دیکھئے تو "مومن" کے سوا اس اہتمام کا شاعر کوئی دوسرا نہین

مومن اور ذوق مین وہی فرق ہے جو غزل اور قصیدے مین ہوتا ہے، مومن پر تغزل کا رنگ اس قدر غالب ہے کہ قصیدے مین بھی اس کی جھلک ہے، ذوق قصیدے مین ڈوبے ہوے ہین اس لئے ان کی غزلون مین بھی اس کا رنگ موجود ہے اس لئے حقیقتاً مومن اور ذوق کا موازنہ غزل مین نہین ہو سکتا

قصیدے کی "واہ" کو غزل کی موازنہ "آہ" سے واسطہ نہین، تاہم ذوق کی استادی اور قدرتِ کلام سے انکار نہین ہو سکتا، قصیدے مین انکی جسقدر تعریف ہو مناسب ہے۔ اردو فارسی سے موازنہ کرنے کے بعد "مومن" تنہا وہ شاعر ہین کہ انکی غزلون کا موازنہ "برج بھاشا" کی تغزل سے کیا جا سکتا ہے تاکہ "مومن" کے کمال کی قدر ایسے زبان کے مقابلہ مین کیجا سکے جس کا مقابلہ مغرب کی کوئی زبان نہین کر سکتی

بھاشا کا تغزل اور مومن کی غزل

بہاری کہتا ہے :-

پوس ماس سنی سکھن پے سائین چلت سوادر گہی کر بین پر دیس تجیار و پیو ر اگ ملاد

ترجمہ :- پوس کے مہینہ مین سکھیون سے یہ بات سن کر کہ پیارے علی الصباح پردیس کو جائین گے اس چالاک عورت نے بین لیکر ملاد کی راگ الاپی (ملاد کی راگ سے پانی برستا ہے مطلب یہ ہے کہ معشوق سفر کو نہ جا سکے۔

بہاری کا دوسرا شعر ہے :-

مانجو بدہی تنوا چیہ سو چھو را کھتے کاج درگ پگ پوچھن کو کئے بھوشن پا انداج

ترجمہ:۔ جسم کی خوبصورتی قائم رکھنے کے لئے خدانے پائے نگاہ کے صاف کرنے کو زیو پاانداز بنایا۔

چھوی نہ سشسوتا کی جھلک جھلکیو یوبن رنگ دیپتی دیھ دہ ہون ملی دیپتی تاپتھا رنگ

ترجمہ:۔ لڑکپن کی جھلک نہین گئی تھی کہ جسم پر جوانی کا رنگ چڑھ گیا دونون کے ملنے سے جسم تانبہ کی طرح چمکنے لگا۔

میرن کہتا ہے:۔

تم بن اے نی کون کرے کرپا موپر ناتھ موہین اکیلی جان کے دکھ کر دینو ساتھ

خسرو کہتا ہے:۔

خسرو اپنا سوہاگ کی جاگی پی کے بھنگ من مورے من پیو کو دو وُ بھئے اک رنگ

ترجمہ:۔ اے خسرو مین نے سب وصال معشوق کے ساتھ جاگ کر بسر کی میرا جسم اور اسکی روح دونون ملکر ایک چیز بنگئی تھی

ستی رام:۔

چلت لال کے مین کیو سچنی ہیو پشان کاہ کہون درکت نہین آتے دیوگ کرشان

ترجمہ:۔ معشوق کی جدائی کے وقت مین نے اپنا کلیجہ پتھر کا بنالیا کیا کہون کہ وہ آتش فراق سے پھٹ کیون نہین جاتا

ایک اور شاعر کہتا ہے:۔

تارے گنت گنت ہون ہاری ٹپکن لاگے نین +

ترجمہ:۔ تارے گنتے گنتے مین ہار گئی، آنکھین ٹپکنے لگین۔

مومن

وقتِ وداع بے سبب آزردہ کیون نہ کیا یون بھی تو ہجر مین مجھے رنج و عذاب تھا

کاٹ لیئے دو گلا تم شوق سے گھر جائیو ایک رقص نیم بسمل کا تماشا دیکھ کر

وقتِ وداع آہ گلا کاٹ رہے تھے کیا کھینچتے دامن کو ترے کام مین تھا ہاتھ

ہندی کے شعر مین پانی برسانے کی فکر کیجارہی ہے تاکہ معشوق سفر سے باز آجائے۔

آپ کو قابو مین لانے کی کوشش ہے لیکن معشوق پر کچھ زور نہین چلتا۔

اُردو کے تینون شعر دیکھئے کہ "سفر" کا اثر ہے اور معشوق کو سفر سے باز رکھنے کے لئے کیسی کیسی جانبازی دکھلائی جارہی ہے۔

اک نگاہ سرسری دیوانہ ہمکو کر گئی گردش چشم پری وساحر بنگالہ تھا

ہندی شعر مین معشوق کے تن کی ز[illegible] کتہ بیان کرنے کے بعد خاموشی ہے، اُردو مین صرف آنکھون کی حقیقت بیان کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ اس کا اثر دل پر کیا ہوتا ہے۔ دونون کا فرق ظاہر ہے

خواب مین کیا خوش ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر　　کھل گئین آنکھین تجھے "اے جلوہ آرا" دیکھ کر

جو نقاب اُٹھی مری آنکھون پہ پردا پڑ گیا　　کچھ نہ سوجھا عالم اس پردہ نشین کا دیکھ کر

ہندی اور اُردو مذاق کا فرق ظاہر ہے "مومن" نے اپنے دونون شعر کہان سے کہان پہونچا دیئے ہین۔

درد ہے جان کے عوض ہر رگ و پے مین ساری　　چارہ گر ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا

ہندی شعر کا مطلب یہ ہے کہ مین تنہا نہین ہون بلکہ دُکھ بھی ساتھ ہے، اُردو شعر کا مضمون کیا دلنشین اور کس قدر بلند ہے۔

بیخود تھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا　　جینا وصال مین بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

دونون کا رنگ جدا ہے، حضرت امیر خسرو نے وصال کی جو کیفیت بیان کی ہے، مومن، نے اس مین ایسی بات پیدا کی ہے جس کا جواب دنیائے شاعری مین نہین۔

وہ چلا، جان چلی دونون یہان سے کھس کے　　اس کو تھامون کہ اسے پانون پڑون کس کس کے

ان نصیبون پر کیا اختر شناس　　آسمان بھی ہے ستم ایجاد کیا

دوسرا شعر دیکھئے

تارے کے بدلے گن کے شب تار کاٹ دی　　ایام ہجر مین مرے کیا کام آئے داغ

شکسپیر اور مومن

ہندی سے موازنہ کے بعد فخر یورپ شکسپیر سے موازنہ کرکے دیکھنا چاہئے کہ "مومن" نے ان مضامین کو کیونکر بیان کیا ہے جن مضامین کو شکسپیر نے ادا کیا ہے اور یورپ اسکو معجزہ سمجھتا ہے۔

شکسپیر

But, soft! what light through yonder window breaks
It is the east, and Juliet is the sun
Arise, fair sun & kill the envious moon
Who is already sick and pale with grief
(۲) With love's light wings did I o'erperch these walls
For stony limits can not hold love out
(۳) O! swear not by the moon, the inconstant moon
That monthly changes in her circled orb.

یہ اشعار رومیو جولیٹ کے بہت مشہور ڈرامے کے ہین پہلے اشعار مین یہ دیکھنا چاہئے کہ رومیو جولیٹ سے ملنے گیا ہے جولیٹ دو بجے سے نظارہ فروشی کر رہی ہے رومیو اس منظر کو اپنے الفاظ مین بیان کرتا ہے کہ:۔

"یہ دو بچی مشرق ہے اور جولیٹ آفتاب، آفتاب مشرق سے نکلا ہے، اس اجالی رات مین ماہتاب کی روشنی جو زرد معلوم ہوتی ہے وہ حسد سے کیونکہ آفتاب (یعنی جولیٹ) سے حسد کر رہا ہے۔

اے خوبصورت آفتاب، حاسد ماہتاب کو (اپنے غمزے سے) قتل کر ڈال"

اس کے مقابلے مین دیکھئے "مومن" کیا کہتا ہے:۔

مومن دیدۂ حیران نے تماشا کیا دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا

"مومن" کہتا ہے کہ مین جو معشوق کا نظارہ کر کے حیران رہ گیا تو گویا میری آنکھون نے مجھ کو تماشا بنا دیا، اس تماشے کو معشوق دیر تک دیکھتا رہا، عاشق کا تماشا بننا اور معشوق کا دیکھنا حسن و عشق کا کیسا انوکھا اور دلچسپ بیان ہے:۔

شکسپیر رومیو دیوار پھاند کر جولیٹ تک پہونچا ہے وہ تعجب سے پوچھتی ہے تم کیسے آئے، درمیان مین پتھر کی دیوارین حائل تھین، وہ کہتا ہے کہ محبت کے ہلکے پھلکے بازو پتھر کی دیوارون کی پروا نہین کرتے (انھون نے اڑا کر پہونچا دیا ہے)۔

مومن تھی نوحہ زنی دل کے جنازے پہ ضروری شاید کہ وہ گھبرا کے سر بام نکلتا

مومن معشوق کو خود بام تک بلاتا ہے لیکن کس طرح کہ باوجود ناز معشوقانہ آنا ضروری ہو

شکسپیر جولیٹ رومیو سے پیمان محبت لینے پر قسم کھلاتی ہے وہ چاند کی قسم کھاتا ہے، جولیٹ کہتی ہے "چاند تو ہر مہینے مین بدل جاتا ہے کہین تم بھی نہ بدل جاؤ

مومن سچ ہے سچا آپ کا پیمان ہے مرگ نے کب وعدۂ فردا کیا

"مومن" کا معشوق عہد کرتا ہے کہ وہ کل پھر آئیگا، عاشق کہتا ہے آپ کا وعدہ سچا سہی لیکن اس درمیان مین اگر موت آگئی تو وہ وعدہ فردا کرنے سے رہی

دوسرے یہ کہ معشوق کا جانا ہی موت ہے، موت کل کا وعدہ نہین کرتی۔

ان دونون شعرون کا لطف اور ان مین فرق ارباب ذوق سمجھ سکتے ہین "مومن" نے اپنے الفاظ کی جادو نگاری سے مضمون کو جادو بنا دیا ہے۔

باقی — باقی

کیفی چریاکوٹی

سریاق چشم

اسکے متعلق حضرت نیاز فتحپوری صاحب اڈیٹر رسالہ نگار تحریر فرماتے ہین کہ تجربہ سے یہ سرمہ بہت مفید ثابت ہوا ہے اور آنکھ کے بہت سے امراض کے لئے کار آمد چیز ہے۔

قیمت علاوہ محصول ۔۔۔ عہ/ انڈین میڈیکل اسٹور نظیر آباد لکھنؤ

نوائے رضا پر تنقیدی نظر

یہ مجموعہ ہے سید آل رضا صاحب رضا کی اُن غزلون کا جن کو انھون نے عالم وارفتگی مین لکھا اور اسی انداز سے پھیلا بھی دیا۔ ملک کو ممنون ہونا چاہئے جناب رضا کے بھائی کاظم صاحب کا جن کے جمع و اصرار سے یہ مختصر مگر نہایت جمیل مجموعہ شایع ہو سکا۔ جناب رضا لکھنؤ کے مشہور و مصروف وکلاء مین سے ہین اور ایک وکیل کے مصروف ہونے کے صرف یہ معنی ہین کہ ہر وقت وہ مقدمات کی گتھیان سلجھانے مین مصروف رہے یا اُن ہستیون سے گھرا رہے جنھون نے کوئی جرم کیا ہے یا جن پر کوئی جرم کیا گیا ہے۔ ظاہر کہ ایسی زندگی مین جبکہ فطرت انسانی کا ہمیشہ تاریک پہلو سامنے رہتا ہے ایک شخص اپنے جمالیاتی ذوق کو قائم بھی نہین رکھ سکتا چہ جائیکہ اسمین ترقی کرنا۔ لیکن مین اس کو جناب رضا کی سلامت ذوق کا معجزہ سمجھتا ہون کہ وہ ایک ہی وقت مین خوش دماغ وکیل بھی ہین اور خوش فکر شاعر بھی!

ابتدا مین جناب رضا نے چند صفحات "عرض حال" کے بھی لکھے ہین اور انھون نے "تغزل" کا جو مفہوم قرار دیا ہے یہ ہے:۔ "غزل نظم کی ایک نہایت لطیف و نازک صنف ہے۔ میرے خیال مین اس کی منزل سوقیانہ پستی اور خشک فلسفیانہ بلندی کے درمیان ہے ــــــ غزل کہتے وقت مجھ پر جو ایک خاص کیفیت وقتاً فوقتاً تھوڑی بہت طاری ہوتی رہی ہے، اُس سے یہ اندازہ کر سکتا ہون کہ اچھا شعر کہنا اسی کیفیت خاص کا کرشمہ ہے"

جناب رضا کے اس بیان کی ہر صاحب ذوق تصدیق کریگا اور جس وقت نوائے رضا کا مطالعہ کریگا تو معلوم ہوگا کہ واقعی ان کی شاعری جذبات کی شاعری ہے اور ایک خاص کیفیت سے لبریز ــــــ جس وقت یہ مجموعہ میرے پاس آیا تو مین نے چند لمحہ تک اس کی خوشنما طباعت و ترتیب پر غور کر کے اس کو بند کر کے رکھ دینا چاہا اس خیال سے کہ کہ ایک وکیل اور وہ بھی لکھنؤ کا، تغزل سے کیا واسطہ رکھ سکتا ہے، لیکن بند کرتے کرتے اتفاقاً میری نگاہ اس شعر پر پڑ گئی

اک خواب سا مین نے دیکھا تھا، ہان سچ ہے تمھین کیون یاد آئے　　باتون کا وہ بڑھنا راتون مین، راتون کا وہ گھٹنا باتون مین

مین چونک پڑا، مین نے پھر اس شعر کو پڑھا، دیر تک کچھ سوچتا رہا اور اس کے بعد دوسرا شعر پڑھا:۔

چھیڑو نہ مجھے اے ہمنفسو جس طرح مین ہون رہنے دو　　انجام مین چپ ہو جانا ہے، کیا وقت گنواؤن باتون مین

پھر شروع سے یہ غزل دیکھی اور ہر شعر اس کا دل مین گھر کرتا گیا ــــ مین نے اور کام ملتوی کئے اور پورے دو گھنٹے اس مجموعہ کے مطالعہ مین صرف کرنے پڑے، حالانکہ اور مشاغل کی وجہ سے دواوین پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کی بھی فرصت مجھے نہین ملتی۔ اس کے چند دن بعد اتفاق سے جناب رضا ایک صبح میرے مکان پر تشریف لائے اور اس طرح مجھے اس ہستی کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہو گیا جس کے خیالات سے مین لطف اندوز ہو چکا تھا۔

اس مجموعہ کے دیکھنے کے بعد اس سے انکار تو کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ جناب رضا شاعر ہین اور وہ غزل اس وقت کہتے ہین جب ان پر غزل کہنے کی کیفیت طاری ہو۔ مین نہین کہہ سکتا ممکن ہے کہ وہ اس کیفیت کے بالقصد طاری کرنے پر بھی قادر ہون لیکن مین نے یہ ضرور محسوس کیا کہ جو کیفیت ان پر طاری ہوتی ہے وہ عام شعراء کی کیفیت سے کچھ علیحدہ ہے۔ یہ علیحدگی کس قسم کی ہے اس تفریق کو کیا کہہ سکتے ہین، اس امتیاز کا کیا نام رکھا جا سکتا ہے۔ یہ آسان کام نہین، لیکن اگر مین اس کا نام رکھنے پر مجبور ہونگا، تو صرف "محبوبیت، یا معشوقیت" سے تعبیر کرونگا لیکن "معشوقیت" بھی اُس دردمند قسم کی جو خود مجروح محبت ہے، آپ بیتاب لذت ہے، جس کا ہر شکوہ ایک مرثیہ ہے، جس کا ہر گلہ ایک "بین" ہے اور جس کے جذبات القت مین اک نوع کا انفعال ہے۔ کیفیات استسلام مین اک قسم کی شرح و حیا ہے اور جس کے عشق کو ہم "چنار" کی شعلہ پروری کے بجائے "لجاؤ" کی حجاب آمیز فتادگی سے تعبیر کر سکتے ہین۔ اسی لئے جناب رضا کی شاعری مین بہت کچھ ہندی شاعری کا سا لوچ پایا جاتا ہے جس مین جذبات محبت ایک عورت کی طرف سے ظاہر کئے جاتے ہین اس مین شک نہین کہ محبت، خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی جانب سے ایک ہی چیز ہے، لیکن چونکہ نوعیت مین تھوڑا سا فرق ہے اس لئے اس کے اظہار مین بھی فرق ہونا چاہئے۔ مرد کے بیان مین اک خاص قسم کا التہاب اک مخصوص انداز کا جوش، اور جانبازانہ اظہار محبت ہوتا ہے لیکن عورت کے یہان اک پامال فتادگی، اک سلگنے والی کیفیت اور ایک تپ دق کی سی دبی ہوئی چنگاری پائی جاتی ہے۔ جناب رضا کی شاعری مین میرے نزدیک یہی کیفیت زیادہ ہے اور شاید میرا یہ دعویٰ غلط نہ ہوگا کہ اُردو مین ہندی شاعری کے رنگ کا سب سے پہلا دیوان یہی ہے، جس پر جناب رضا ہر تحسین و ستائش کے مستحق ہین۔ ہندی زبان مین تو اس رنگ کی شاعری کرنے والے مسلمان متعدد ہوئے ہین جن مین عبدالرحیم خانخانان کا خاص مرتبہ ہے، لیکن اُردو زبان مین یہ بالکل پہلی مثال ہے، جس سے شاید خود جناب رضا بھی واقف نہ ہونگے۔

اب مین چند مثالون سے اس کی وضاحت کرونگا:۔

میر کا مشہور شعر ہے:۔

یاد اس کی اتنی خوب نہین میر باز آ   کمبخت پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائیگا

چونکہ محبوب کا یاد آتے رہنا، عاشق کے لئے سخت تکلیف دہ ہے اس لئے میر اپنے آپ کو ہر وقت اس کی یاد کرتے رہنے سے باز رکھتے ہین۔ جناب رضا اس مفہوم کو ان الفاظ مین ظاہر کرتے ہین:۔

ہان اور جس طرح بھی ہو تڑپائے مجھے   کچھ ایسا کیجئے کہ نہ یاد آئے مجھے

اس شعر کے پڑھنے کے بعد ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مین جو التجا کی گئی ہے وہ بہت کچھ نسائی رنگ لئے ہوئے ہے جیسے "تڑپائے"، "کچھ ایسا کیجئے" اور "یاد آئے" نے پوری طرح چمکا دیا ہے۔

جناب رضا اپنے دل آنے کے اولین واقعہ کو اس طرح ظاہر کرتے ہین:۔

حسُن کی گرمی، نئی جوانی، پہلی محبت نازک دل   جلتی تپتی ریت پہ گر کر جیسے تازہ کلی کمھلائے

اس شعر مین جناب رضا نے دو تقسیمین علیحدہ علیحدہ کی ہین ۔ "حسن کی گرمی، نئی جوانی" ۔ محبوب کے لئے جس کی تشبیہ "جلتی تپتی ریت" سے دیگئی ہے ۔ "پہلی محبت نازک دل" اپنے لئے جسے تازہ کلی کے کھلانے سے تعبیر کیا ہے ۔ اس تقسیم مین اس سے زیادہ نسائی لطافت جذبات اور کیا ہو سکتی ہے ۔

اسی غزل کا دوسرا شعر ملاحظہ ہو :۔

شرم کہان کی، شرم گنوا کر یہ بھی مار ہے قسمت کی ۔۔۔ بھیک جو منہ مانگی لینے مین ہاتھ بڑھائے اور رہجائے

یعنی مجھے منہ مانگی بھیک مل رہی ہے اور مین ہات بڑھا بڑھا کر رہجاتا ہون ۔ یہ شرم شرم نہین ہے بلکہ قسمت کی مار ہے ۔ اس شعر کی ساری ترتیب، جذبات کا انفعالی رنگ، الفاظ کا انتخاب شروع سے اخیر تک ایسے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے جو ایک عورت ہی کی محبت مین پایا جاسکتا ہے

تیسرا شعر :۔

عشق مین تم آزاد ہو جتنے، اتنے کیون مجبور ہین ہم ۔۔۔ دل مین بسو، آنکھون مین سماؤ، پھر بھی لب تک نام نہ آئے

اس شعر کا بھی انفعالی پہلو ظاہر ہے ۔ عشق مین آزاد ہونا محبوب کے لئے لکھا گیا ہے اور اپنے کو اس درجہ مجبور ظاہر کیا ہے لب پر نام تک نہین آسکتا ۔ جذبات کا تقابل قابل غور ہے

اس انداز کے چند شعر اور ملاحظہ ہون :۔

وہ کرے کیا، کچھ نہ آئے جس کو منت کے سوا ۔۔۔ پھر یونہی منت کرینگے ہم خفا ہو جائے

قسم لیلو جو شکوہ ہو، تمھاری بیوفائی کا ۔۔۔ کئے کو اپنے روتا ہون مجھے جی بھر کے رونے دو

سوچ لین یہ ہمین ہنس ہنس کے مٹانے والے ۔۔۔ کون روئے گا، ہمارا جو کہین نام آیا
ہم گئے جان سے اور ضد نہ جوانی کی گئی ۔۔۔ کھا لیا تیر کلیجہ پہ تو آرام آیا

دم ہے کہ اکھڑا اکھڑا سا اور وہ بھی نہین آچکتے ہین ۔۔۔ قسمت مین ہو مرنا یا جینا، اب ہو بھی چکے جو ہونا ہے
دل ہی تو ہے آخر بھر آیا، تم چین بہ جبین کیون ہوتے ہو ۔۔۔ ہم تمکو بھلا کچھ کہتے ہین، تقدیر کا اپنی رونا ہے

بیٹھے بیٹھے اک دن دل نے کہا کہ تو دیا دہ آئین گے ۔۔۔ اینک لیکن یہ نہین کھولا کب تک راہ دکھائین گے

جناب رضا کی شاعری کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک شعر کو چند ٹکڑون کے ارتباط سے پیدا کرتے ہین یعنی بعض مرتبہ وہ

چند چھوٹے چھوٹے فقرون کو جوڑ کر شعر بناتے ہین اور کبھی الفاظ کو ادھر اُدھر اس طرح منتشر کر دیتے ہین کہ جب تک اُن کو اپنی اپنی جگہ نہ لایا جائے شعر کا لطف حاصل نہین ہو سکتا مثلاً:۔

تھمے طوفان۔ ہٹے موجون کی چادر تو کھلین آنکھین
نگاہون مین ابھی دھندھلے سے کچھ نقشے ہین ساحل کے

زبان حرفِ دعا۔ سجدہ مین سر۔ اور خاک پر سجدہ
ہوے ہونگے کم اتنے خیر مقدم تیغ قاتل کے

رضا اُٹھو، سحر ہوتی ہے، تارے جھلملاتے ہین
جنھین آنا تھا آپہونچے، جنھین جانا ہے، جاتے ہین

مین وہ مین ہی نہ رہون تم جو کر دیا د مجھے
تم، وہ تم ہی نہ رہو، بھول سکو ن گر تم کو

آپ مجبور ہین، بندہ بھی خطاوار نہین
عشق کی شان جنون، حُسن کی خو ناز و غرور

ہا ہا، نہین نہین، گلہ آشنا نہین
کیا یہ کہون کہ دوست، دلِ بے وفا نہین

لگائی آگ مری دُکھ بھری کہانی کی
ہین منفعل نہ کبھی اُن کے سیل اشک سے بھی

بیڑی کی صدا بدلی، دیوانہ پریشان ہے
رُت اور فضا بدلی، زندان کی ہوا بدلی

ابھی طوفان برپا ہے مری کشتی ڈبونے دو
ٹھہر کر تو سہی خود سوگ لے بیٹھین ابھی موجین

کیا سوچ رہے ہو اگھر جاؤ، یہ دامن پُر خون دھونا ہے
ہان ذبح تو مجھ کو کر ہی چکے، اک کام ضروری اور بھی ہے

ساتوین شعر کی اگر نثر کیجائے تو یون ہوگی:۔ "منفعل ہین کہ مری دُکھ بھری کہانی کی لگائی آگ اُن کے سیل اشک سے بھی نہ بجھی"۔ غور کیجیے کہ اس نثر کے ٹکڑے کتنے منتشر طور پر شعر مین پائے جاتے ہین۔ اسی طرح نوین شعر کے اول مصرعہ کی نثر یہ ہوگی "تو سہی جو یہی موجین ٹھہر کر خود سوگ لے بیٹھین" لیکن مصرعہ مرتب کیا گیا ہے، ان ٹکڑون کو بے ترتیب پھیلا دینے سے۔ لیکن یہ رضا صاحب کی شاعری کی خصوصیت ہے کہ وہ باوجود اس انتشار و بے ترتیبی کے بھی تعقید کا عیب نہین پیدا

ہونے دیتے اس قسم کے شعر مشاعرہ مین بہت لطف پیدا کرتے ہین اور سننے والون پر اس کا بڑا اثر ہوتا ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کا غلو کبھی کبھی اشعار کو بے معنی بھی کر دیتا ہے۔ جناب رضا کے یہان بہت کم شعر ایسے ہین جو اس طرح داغدار ہو گئے ہین، تاہم دو چار نظر آتے ہین مثلاً :-

نہ جانے موت سے کیسی بنے، خدا کی پناہ یہ کوفت آٹھ پہر بلکہ زندگی بھر کی

جب تک خود شاعر کوئی نکتہ نہ سمجھائے، صرف شعر پڑھکر ذہن کسی تغزل کی طرف منتقل نہین ہوتا۔ کوفت کیا ہے کیون ہے، جذبات محبت سے اس کا کس قسم کا تعلق ہے جو خیال موت کی طرف گیا اور اگر ایسا درست ہے تو پھر یہ درست۔ یہ تمام باتین شعر سے سمجھ مین نہین آتین۔ ایک اور شعر اسی زمین کا ہے :-

یہی ہے داور محشر، یہی ہے عدل کی شان شہید ظلم کا قصہ، زبان خنجر کی

اگر اس شعر کے معنی یہ نہین ہین کہ "اے داور محشر تو نے شہید ظلم کا قصہ زبان خنجر سے کھلوا دیا تو در حقیقت یہ ہے کہ عدل کی شان یہی چاہتی تھی" —— تو شعر مہمل ہے اور اگر مفہوم یہی پیدا کرنا چاہا ہے تو خوبی سے ادا نہ ہو سکا،

اسی غزل کا ایک شعر اور یہ ہے :-

جگہ امید کی آخر کو یاس نے لے لی فضا بدل گئی دنیائے یاد پرور کی

اس مین یاد پرور بہ معنے پروردۂ یاد استعمال کیا گیا ہے جس نے لطف مین بہت کمی کر دی

دیکھنا ہین وہ کروٹین لیکے جھجھک کے چونک اٹھنے صبح شعور ہے قریب حسن ہے خواب ناز مین

اگر پہلے مصرعہ مین دیکھنا ہین بہ معنی قابل دید آیا ہے تو مصرعہ درست ہے کیونکہ چونک اٹھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کروٹین ختم ہو چکی ہین جن کے بعد وہ چونکے ہین اس لئے دیکھنا ہین مستقبل سے متعلق نہین ہو سکتا۔ لیکن اسی کے ساتھ دوسرا مصرعہ بیکار ہوا جاتا ہے، کیونکہ حسن کا خواب ناز مین ہونا اور صبح شعور کا قریب ہونا دونون باہمدگر اور علیحدہ علیحدہ پہلے مصرعہ کے مفہوم کے منافی ہین۔

یون بھی جل جائے گا پردہ مری رسوائی کا دیکھو اوضبط فغان آگ لگی جاتی ہے

مدعا یہ کہنا تھا کہ "میرا پردۂ رسوائی یون بھی جل جائے گا، اے ضبط فغان تو کیون آگ لگاتی ہے"، لیکن اس انداز بیان نے کہ دیکھو آگ لگی جاتی ہے "مفہوم کی تعبیر کو ناقص کر دیا۔ اگر آگ لگانا اور جلنا دو علیحدہ باتین ہوتین تو بیشک "ضبط فغان" کو متنبہ کیا جا سکتا تھا۔

اللہ رے بند و بست خود آرائی شباب غنچے چٹک کے پھول بنے اور سنور گئے

اس شعر کا مطلب غالباً یہ ہے کہ غنچے پھول ہو ہو کر سنور گئے لیکن ان کی خود آرائی شباب کے بند و بست کو دیکھئے کہ ابتک وہ نہین سنور سکے۔ گویا ایک پورا جملہ ترک کر دیا گیا ہے۔ اس مین شک نہین کہ بعض مقامات پر اس قسم کا خلا بہت لطف دیتا ہے جیسے

بہتر نمونے مومن کے یہان اکثر اور غالب کے یہان کمتر پائے جاتے ہین، لیکن اس شعر کا خلا ضرورت سے زیادہ ذہانت آرا ہے

لکھنؤ کے شاعر بدنام ہین کہ وہ سوز وگداز پیدا کرتے ہین موت، جنازہ، قبرستان، اور نزع وغیرہ کے ذکر سے اور اس طرح اُن کے شاعری بجائے سوز تغزل کے سوز مرثیہ کا رنگ پیدا کر لیتی ہے۔ لیکن جناب رضا کے کلام مین دو چار ہی شعر ایسے نظر آتے ہین جن مین یہ کیفیت پائی جاتی ہے اور مجھے افسوس ہے کہ اس مجموعہ کی ابتدا کیون اس شعر سے ہوئی:۔

اتر گیا صدقہ حسن کا مبارک ہو — مبارک آپ کو مرگِ رضا مبارک ہو

مین نے ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھا ہے کہ ایک شاعر کے اخلاق و عادات اس کی کیفیات شعری سے کیون جدا ہوتے ہین لیکن جناب رضا کے باب مین مجھے اس استعجاب سے واسطہ نہین پڑا، کیونکہ جو پاکیزگی و لطافت، نظافت و نغومت، لینت و مروت اُن کے کلام مین ہے، وہی ان کی طرز معیشت و معاشرت مین بھی پائی جاتی ہے اور اس لئے مجھے یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں ہو سکتا کہ جس طرح ان کی شاعری بجلی ہے، اسی طرح وہ خود بھی اور ان کی فطرت بھی لچک رکھنے والی ہے۔ البتہ تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے مین کوئی حکم نہین لگا سکتا، ممکن ہے اسباب و ماحول نے ان کی شاعری مین یہ رنگ پیدا کیا ہو، یا اس نوع کی شاعری نے ان کے اخلاق و عادات اور ان کی معاشرت و معیشت کو اس سانچہ مین ڈھال دیا ہو۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بعض وہ اشعار جنھون نے مجھے بہت مسرور کیا ان کو بھی سنا دون کیونکہ مجھے تو اظہار لطف و امتنان کا صرف یہی ایک طریقہ معلوم ہے:۔

بڑھتا جاتا تھا، رضا، حسنِ مہ شب جتنا — اور آتا تھا مرا وعدہ شکن یاد مجھے

طے ہو چکین شکست تمنا کی منزلین — اب اسکے بعد گریہ بے اختیار ہے

مسکرا ہی دو اگر پرسانِ حالِ دل نہ ہو — اتنی گنجایش بھی کیا رسم مروت مین نہین

پردہ اٹھ جانے پہ مٹ جائیگا اے لذت دید — وہ جو اک لطف ہے بجلی سی چمک جانے مین

ڈرتا ہون یہ بھی نہ ہو کوئی پردۂ ستم — یون آج مل رہے ہین کہ جیسے خفا نہین

یہ میرا حال جسپہ ہنسی آ گئی تمھین — اکثر اسی نے ہنستے ہوؤن کو رُلا دیا

کسی کو فاسغ اندوہ پاؤن تو پوچھون   کہ اور بھی کوئی صورت ہے زندگانی کی

جو دل مین تھا وہ ملتا ہے ساتھ اپنے خاک مین   تم دور، اور کہہ نہ سکے کچھ کسی سے ہم

تمھین نہ کہدو کہ ہم تم کو کیا سمجھتے ہین   ہماری بات کا تو کوئی اعتبار نہین
جو سُن سکو تو مری داستان ختم نہ ہو   نہ سُن سکو تو کوئی حد اختصار نہین
جو مجھ پہ ہنستے ہین ہنس لین جو روتے ہین رو لین   کسی کی بات محبت مین ناگوار نہین

ہائے کیا وقت تھا کیا کیف تھا کیا عالم تھا   جب ترے لب پہ مرا پہلے پہل نام آیا

زندگی ختم جہان کی وہ جگہ پھر نہ ملی   تیرے کوچہ سے اُٹھائے لئے جاتے ہین مجھے

مسافران لحد، جاؤ ہم بھی آتے ہین   وہین سے مل کے چلین گے جو پہلی منزل ہے

ہنستے ہو بہت جب کہتا ہون، حال اپنے دلِ وارفتہ کا   روؤگے بہت جب بعد مرے یہ تم کو سنایا جائے گا
در سے تو اُٹھا ہی تم نے دیا، تڑپون بھی نہ مین یہ ظلم ہے کیا   ٹوٹا ہے سہارا مدت کا صبر آتے آتے آئے گا

ہے سب سے نرالی شان اسکی کیا شے ہے جوانی کا موسم   یہ جیٹھ کا ایسا تپتا ہے برسات کی بھیگی راتوں مین

حسُن کو محدود کب کرتا ہون لیکن ہر حسین   اتنا ہی دلکش ہے جتنا تجھ سے ہے ملتا ہوا

ہم اک اشارے پہ کتنے سوال کر بیٹھے   کسی سوال کا لیکن کوئی جواب نہ تھا

ہے چھیڑ امید کی پُرلطف اشکون کی روانی مین   شعاعین چاند کی جس طرح کھیلین بہتے پانی مین

جنھین آنا تھا آپہونچے، جنھین جانا ہے جاتے ہین — رضا اٹھو سحر ہوتی ہے، تارے جھلملاتے ہین

چلے تھے ایک نظر تیری بزم دیکھ آئین — یہان جو آئے تو بے اختیار بیٹھ گئے

وفا خطا تھی، خطا مین نے زندگی بھر کی — اب اسکے آگے جو مرضی ہو بندہ پرور کی
گئے تم ایک نگریون کہ کر گئے تنہا — تمھارے ساتھ گئین خوبیان مقدر کی

یہ چند وہ اشعار ہین جو سرسری نگاہ سے حاصل ہوئے ورنہ اگر زیادہ تعمق کے ساتھ دیکھا جائے تو اس سے زیادہ نکل سکتے ہین۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۱۱۲ صفحات کو محیط ہے اور کاغذ کی خوبی کے لحاظ سے ۸/، ۱۲/ اور عہ مین ملتی ہے۔ اسکا دوسرا سرورق نہایت ہی خوشنما سنہرا ہے جو بالکل نقاب عروس معلوم ہوتا ہے۔

کیمیا کا کرشمہ — حکمت کا معجزہ

کایا پلٹ ہیر آئل

کہنے کو صرف یہ تیل ہے لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے اکسیر کو بھی مات کرتا ہے یہ تیل نہایت قیمتی اور نادر الوجود نباتاتی و کیمیاوی اجزاء سے جدید اصول پر تیار کیا گیا ہے جسکی تصدیق بڑے بڑے سائنس دان کوتے کی ہے اسکے فواید کی تفصیل مختصر اشتہار مین ناممکن ہے مختصراً یون سمجھ لیجئے کہ گھر مین اسکی ایک شیشی کھنا گویا بہت سے امراض کو دفع کر دینا ہے۔

اگر:- سر یا چندیا کے بال گر گئے ہین یا گر رہے ہین۔ یا بالخورہ اور گنج ہو گیا ہے

اگر:- نزلہ درد سر یا شقیقہ، دوران سر، ضعف دماغ و ضعف بصر، بے خوابی یا نسیان کی شکایت ہے۔

اگر:- سر اور جسم کی پھوڑیان، پھنسیان، گرمی دانے، خارش یا دیگر امراض جلدی کا دفع کرنا مقصود ہے۔

اگر:- کنٹھ مالا، سل اور دق وغیرہ سے محفوظ رہنا ہے

تو ——— ان سب کا واحد علاج کایا پلٹ ہیر آئل ہے

جو نہ صرف خوشبو بلکہ اپنی مقدار و وزن کے لحاظ سے بھی بازار کے تمام خوشبو دار تیلون سے اچھا اور ارزان ہے ڈاکٹر شیخ بہادر لکھنؤ سے اپنی تحریر مین تصدیق فرماتے ہین کہ اس تیل کے فواید اشتہار کے مطابق پائے گئے ہین مرزا جعفر علیخان صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر رائے بریلی نے دوامی آرڈر ہر ماہ ایک شیشی کا دیدیا ہے۔ مولانا نیاز فرماتے ہین کہ بیگم نیاز کے تمام گرے ہوئے بال از سر نو پیدا ہو رہے ہین اور بہت گھنے۔ (جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ضروری ہے)

قیمت معہ محصول ------- (عہ)

دو شیشیون کے خریدار سے معہ محصول (للعہ)

مینجر کایا پلٹ ہیر آئل لکھنؤ

آدم و حوا سے پہلے

آسمانی محفلِ آفرینش کا ایک واقعہ

(۱)

ابتدائے آفرینش مین، سرزمین "سماوی" مین جو جو واقعات رونما ہوے، ان مین صرف چند واقعات کا علم انسان کو حاصل ہے اور وہ بھی نہایت اجمالی، بلکہ مین تو یہ کہونگا کہ بالکل غلط سلط۔ مثلاً انسان ایک تو یہ بات جانتا ہے کہ:

۱- خدا نے چھ دن مین کائنات تیار کی

۲- پھر ساتوین دن عرش پر قایم ہو گیا۔ جیسے بہت کام کرنے کے بعد کوئی تھک کر کھڑا ہو جائے۔ یا پھر اس لئے کہ عرش کی بلندی سے وہ کائنات کا نظارہ کرے اور دیکھے کہ کہان کیا کمی رہگئی۔

۳- آدم کو پیدا کیا اور جب وہ تنہائی سے گھبرائے تو انھین کی بائین پسلی سے "حوا" کو بنایا۔ اور ایک درخت گیہون کا اگا کر کہدیا کہ دیکھو نہ اس کے پاس جانا نہ اسکا پھل کھانا

۴- ابلیس سانپ اور طاؤس کی مدد سے جنت کی "شہر پناہ" پھاند کر حوا کے پاس گیا، انھین بھکا کر اُس درخت کا پھل کھانے کی طرف مایل کیا اور انھون نے اپنے "عشوہائے نوزائیدہ" اور "شبابِ نودمیدہ" سے کام لیکر آدم کو بھی اپنا ہم خیال بنا کر اس درخت کا پھل خود بھی کھایا اور غریب آدم کو بھی کھلا چھوڑا۔

۵- خدا نے اس سرتابی و نافرمانی سے برہم ہو کر ان کے جسم سے حُلّۂ بہشتی اتار کر بالکل مادرزاد حالت مین اُٹھا کر نیچے پھینکدیا اور وہ شہابِ ثاقب کی طرح سیدھے لنکا مین آکر گرے۔ گو یہ معلوم نہین کس بل گرے اور کس حصۂ جسم مین زیادہ چوٹ آئی۔ مگر گمان غالب یہی ہے کہ سینے کے بل گرے ہونگے اور اس لئے اب بھی ذرا سے صدمہ سے ان کی اولاد کے دل مین فوراً درد تازہ ہو جاتا ہے۔

مجھے نہین معلوم کہ انسان کو ان باتون کا علم کیونکر حاصل ہوا اور وہ کس حد تک صحیح ہے۔ بہرحال حقیقت جو کچھ ہو یہ واقعہ ہے کہ فطرت کے اور بہت سے "افکار و حوادث" ایسے ہین جنکا چھوٹا علم بھی انسان کو نہین ہے۔ مگر مجھے ایک ایسے قدیم التخلق واقعہ کا علم حاصل ہے جو تخلیق آدم سے خدا جانے کائنات کی کتنی دُخانی گردشین، قبل رونما ہوا، لیکن چونکہ اس کا تعلق صرف "تخلیقی سراپردۂ راز" سے تھا اس لئے "نہ کروبیان" عرش کو اس کے اظہار کی اجازت دی گئی اور نہ حقیقتاً اس کی ضرورت تھی کہ انسان اُس سے آگاہ کیا جاتا۔

مین نہین بتاؤنگا کہ مجھے اس پر کیونکر اطلاع حاصل ہوئی۔ یہ میرا ایک عمیق دماغی راز ہے، جس کو مین ظاہر نہین کرنا چاہتا

(۲)

تمام حدود سما، جملہ اکناف فضا۔ یعنی وہ خلا جو سمت و جہت، نشیب و فراز سے نا آشنا ہے کسی وقت تبسم خداوندی سے معمور ہو کر یکسر ٹھنڈے برقپاروں سے معمور ہو جاتا تھا اور کبھی فطرت کی متاثل جبین پیشانی، کرون لوبی (Seasons) گردش سے پیدا ہونے والے بعض تموجات کو خشک کر کے طویل سلسلۂ کوہستان میں تبدیل کر دیتی تھی۔ اس سے قبل سوائے حریم قدس کے، علاوہ "خلوتِ کبریائی" کے موجودات، تمام تھا صرف اک اضطراب مسلسل کا، اک نہ تھمنے والی بے چینی کا۔ مادہ میں جوش تھا، غلیان تھا، خرق و قلع تھا، شور و ہنگامہ تھا، اک طوفان تھا آتشین، اک تلاطم تھا شرربار، شعلے برستے تھے، آگ کے فوارے ابلتے تھے، چنگاریاں اڑتی تھیں اور خبر نہیں کہ قہرمانِ فطرت کا یہ غصہ کب ختم ہوا

بہرحال جس زمانہ کا واقعہ میں بیان کر رہا ہوں، وہ وقت التہاب کے شباب کا نہ تھا اور کرۂ زمین بھی منجمد ہو کر اک قایم و منظم گردش پر آ رہی تھی، البتہ کہیں کہیں دھوین کے بادل ضرور اس طرح بلند ہوتے نظر آتے تھے، جیسے گرم لوہے پر پانی کے چھینٹے دینے سے بھاپ پیدا ہوتی ہے۔ تعمیر انسانی کا کام بھی شروع ہو چکا تھا اور قدرت ملائکہ آفرینش کی اولین سعی و کاوش کا جائزہ لینے والی تھی۔

زرین بادلوں سے گھری ہوئی وسیع فضا کے ایک جانب صیقل شدہ طلائے سرخ کا گنبد جس کے ہر پہلو سے تڑپتی ہوئی بجلیاں پیدا ہو رہی تھیں گردباد کے حمام کی طرح گردش میں تھا اور حصار رنگین میں جا بجا اس طرح بجلیاں تڑپ تڑپ کر رہ جاتی تھیں جیسے گھڑی گھڑی دروازے کھلکر بند ہو ہو جائیں۔ حصار سے باہر کوئی علامت کسی ہنگامہ یا ہجوم کی نہ تھی، لیکن اندر خاصی چہل پہل تھی، فرشتے جو اپنے فرائض کے لحاظ سے مختلف وضع و صورت رکھتے تھے یوں تو جا بجا سرگوشیاں کرتے ہوئے نظر آتے تھے لیکن طوبیٰ کے نیچے انکا ہجوم بہت زیادہ تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کو کوئی خاص فکر لاحق ہے۔ کچھ فرشتے حوضِ کوثر کے کنارے بھی دیکھے جاتے تھے اور کہیں کہیں اُس جوئے شیر و عسل کے ساحل پر بھی جو اعلیٰ علیین سے نکل کر فردوس کے تمام طبقات میں چکر لگاتی ہوئی چلی گئی ہے، فرشتوں کے تابناک چہروں سے جس وقت شعاعیں نکل نکل کر اُن کے طلائی، بنفشی، زمردین و گوہرین پروں پر پڑتی تھیں تو "جنبشِ بال" اک ایسا تلاطم نور و رنگ پیدا کرتی تھی کہ ہر فرشتہ دنیائے قوس قزح کی ایک عجیب و غریب نورانی مخلوق نظر آتا تھا

کوثر و سلسبیل کا سیم گون پانی تیزی کے ساتھ جاری تھا، نہریں پوری روانی پر تھیں اور ہر فرشتہ جلدی جلدی اپنے پروبازو جھاڑ رہا تھا کہ دفعۃً ایک نگاہ خیرہ کرنے والی، خنک بجلی چمک کر تمام فضا میں پھیل گئی اور تمام ملائکہ اپنی اپنی جگہ سجدے میں گر پڑے۔ یہ تجلی ربانی گویا اعلان تھا اس امر کا کہ وہ وقت جس کا انتظار تھا آ گیا ہے اس کے چند لمحہ بعد ایک رعد آسا آواز پیدا ہوئی:۔

"خرقائیل، اور اے وہ تمام فرشتو جو کرۂ ارض کی آبادی کے لئے مامور کئے گئے تھے، ہمیں بتاؤ کہ تمھاری تجویزیں کیا ہیں اور تم نے کیونکر کائنات کے اس حصہ کو سنوارنا سوچا ہے، جو بظاہر نہایت حقیر ہے، لیکن ہمارے نزدیک بہت اہم ہے کیونکہ ہم اپنا خلیفہ بنا کر وہاں بھیجنا چاہتے ہیں"

"اے دلون کا بھید جاننے والے، تجھ سے کائنات کا کونسا راز پوشیدہ ہے، کہ ہمکو عرض کرنے کی جرأت ہو۔ لیکن تیرے فرمان کی تعمیل مین کہنا پڑتا ہے کہ ہماری تمام ذکاوتین اس سے زیادہ کچھ نہین کر سکین کہ وہان فردوس کی سی بیشمار نہرین جاری کردی ہین باغ بہشت کی طرح پہاڑون اور میدانون کو خوشرنگ پھولون سے آراستہ کر دیا ہے، زمین کو اس کا اہل بنا دیا ہے کہ وہ تمام نباتاتی امانتون کو محفوظ رکھ کر ہزار چند زیادہ واپس کرے اور آفتاب کو مامور کر دیا گیا ہے کہ وہ وقت وضرورت کے لحاظ سے وہان گرمی پہونچایا کرے اور اپنی قوت جذب کو ایسے نقطۂ اعتدال پر رکھے کہ کرۂ ارض اپنے متعین محور سے نہ ہٹنے پائے۔

چنانچہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے، دریا جاری ہین، پھول کھل رہے ہین، زمین گھوم رہی ہے اور وہان کا ذرہ ذرہ اس جلیل القدر مہمان کی آمد کا انتظار کر رہا ہے جس کے لئے بزم کائنات آراستہ کی گئی ہے،

(۳)

کرورون برس بعد — یہ ہم انسانی زبان مین، انسانی ریاضی کے لحاظ سے کہہ رہے ہین، ورنہ ممکن ہے اتنا زمانہ وہان صرف ایک لمحہ سے تعبیر کیا جاتا ہو یا اس سے بھی کم ایک عشر دقیقہ سے ---- جب تخلیق نوع انسان کے تجربات کے لئے فضائے قدس کا ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا تھا اور تمام صناع و نقاش فرشتے نئے نئے نمونے طیار کر کرکے ان کے مٹانے مین مصروف تھے، تو کروبیان سدرۃ المنتہی سے لیکر اُن فرشتکون (فرشتک تصغیر ہے فرشتہ کی) تک جو باغ عدن مین طیور جمیل کے حُویصلات (بیوٹون) کو زمردگیاہ کے دانون سے بھرنے پر مامور تھے، اپنی فرصت کے تمام اوقات اسی تجربہ گاہ مین صرف کرتے تھے اور ان مین کا ہر فرد بیتاب تھا کہ دیکھئے کامیابی کس فرشتہ کو حاصل ہوتی ہے اور وہ نئی مخلوق جس کی آفرینش کے متعلق قدرت اس درجہ اہتمام کر رہی ہے کیا چیز ہوگی۔ تجربہ گاہ کا وہ حصہ جہان کیمیاوی اصول پر کرۂ زمین کی حرارت وبرودت اور اجتماع عناصر کے لحاظ سے مختلف تغیرات وکیفیات پیدا کی جا رہی تھین، بہت اہم حصہ تھا اور جس وقت کوئی پتلہ بنایا جاتا تھا تو آخری امتحان کے لئے یہین بھیجا جاتا تھا اور آخر کار وہ کسی نہ کسی نقص کی وجہ سے رد کر دیا جاتا تھا۔ کوئی ۱۰۰ ڈگری کی گرمی بھی برداشت نہ کر کے پگھل جاتا تھا، کوئی ایسا ہوتا تھا کہ پارہ کے درجۂ صفر تک پہونچنے سے پہلے ہی یخ بستہ ہو جاتا اور اگر کسی مین یہ کوئی کیفیت نہ پیدا ہوتی تھی تو وہ پھیل کر یا سکڑ کر "احسن تقویم" سے خارج ہو جاتا تھا صورت وشکل، اعضاء وجوارح مین بھی بہت عرصہ تک اسی قسم کا عدم تناسب قایم رہا۔ یہانتک کہ ایک صبح جبکہ تجربہ گاہ کا مہتمم اعلی اسی فکر مین محو تھا دفعۃً اعلیٰ علیین سے آنے والی ہوا کے ایک مشکبو جھونکے نے اس کارگاہ کے ناظم اعلی پر غنودگی سی طاری کر دی اور اسی عالم منام مین اس نے دیکھا کہ بارگاہ قدس کا شعاعی پردہ جنبش مین آیا اور دفعۃً ایک نور جو ساری فضا مین پھیلا ہوا تھا سمٹ کر مختصر ہونے لگا۔ یہانتک کہ اسنے رفتہ رفتہ ایک مجسم صورت اختیار کر لی اور فرش پر گر کر دو ٹکڑون مین تقسیم ہو گیا۔ ان دونون کے چہرہ کے خطوط ونقوش، جوارح واعضا بالکل معدوم حالت مین تھے کہ دفعۃً ایک کرن بام عرش سے برقیہ (سرچ لائٹ) کی مانند اُتری اور جس طرح ایک نقاش کا مُوقلم تصویر کے خط وخال متعین کرتا ہے اسی طرح اس کرن کا اگلا حصہ جو بالکل پیکان کی طرح نکیلا تھا نہایت تیزی کے ساتھ دونون مجسمون کے مختلف حصون کو چھو چھو کر

چشم زدن مین ناک، آنکھ، ابرو وغیرہ سب کچھ بنا کر غائب ہو گیا ـــــ جب اس فرشتہ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ دونون مجسمے موجود ہین اور اُسی تابناکی کے ساتھ جو خواب مین اس کو نظر آئی تھی، وہ بشارت ربانی اور اشارۂ غیبی کے ان تمثالون کے سامنے سجدہ مین گر پڑا اور پھر فرطِ مسرت مین ایک ایسی چیخ اس کے منہ سے نکلی کہ سارا عدن گونج اُٹھا اور تمام آسمانی مخلوق ان کے دیکھنے کے لئے اس طرح دوڑ پڑی جیسے تاریکی مین دور کوئی روشنی نظر آئے اور پتنگے بیتابانہ اس طرف دوڑ پڑین۔ لیکن یہ راز کسی طرح نہ سمجھ مین آیا کہ بجائے ایک کے دو پتلون کی تعمیر کیون عمل مین آئی۔ ان دونون کی ساخت مین بھی کافی فرق پایا جاتا تھا۔ ایک زیادہ جسیم، زیادہ قوی و توانا معلوم ہوتا تھا اور دوسرا نحیف و نازک، کمزور و ناتوان خد و خال مین بھی اسی نسبت سے فرق پایا جاتا تھا اور دلکشی و دلچسپی مین بھی۔

(۴)

ایک زمانہ گزر گیا، اور جب تمام ملائکہ ان مین حس و حرکت پیدا کرنے سے عاجز آگئے تو انھون نے ان دونون کے گرد ایک حصار قایم کر کے اس کو ایک پرستش گاہ کی سی حیثیت دیدی اور صبح شام وہان وہی سرمدی ترانے گائے جانے لگے جو نہ نظر آنیوالے خدا کے لئے مخصوص تھے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ دونون بُت اُسی خدا کی رمزی و اشاری ہستیان تھین اور شاید مقصود ربانی بھی یہی تھا کہ اس طرح عالم مین تقدم شخصی کی بنیاد قایم ہو

ایک صبح جب کہ تمام ملائکہ اس حصار کے گرد پرستش و طواف مین مشغول تھے، دفعتہً ایک چمک سی محسوس ہوئی اور حصار غائب ہو گیا۔ دونون مجسمے اب زندہ تھے، ان کے اعضا مین حرکت تھی آنکھون مین گردش تھی اور ابرو مین جنبش ایک دوسرے کو متحیرانہ بغیر کسی جذبہ کے دیکھ رہے تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک کو دوسرے کی سبیت بھی گوارا نہین ہے۔ دیر تک عالم بالا اس عجیب و غریب تماشہ کو دیکھتا رہا اور جس وقت وہ اُٹھکر ایک دوسرے کی طرف منہ پھیر کر جانے لگے تو فرشتے فرط حیرت سے ٹھٹک کر رہگئے۔ ابھی وہ صرف چند قدم چلے ہونگے کہ دفعتہً ایک سُرخ روشنی نمودار ہوئی اور سمٹتے سمٹتے اسنے ایک صنوبری شکل اختیار کی اور ان دونون کے سینون مین داخل ہو گئی۔ یہ دونون اپنی اپنی جگہ ساکت کھڑے ہو گئے اور اس وزن کو محسوس کرنے لگے جو اس طرح آہستہ آہستہ انکے سینونکے اندر منتقل ہو گیا تھا۔ ایک نے دوسرے کو دیکھا تو سینے کے اُس حصہ مین جہان وہ روشنی داخل ہوئی تھی تپش اور دھڑکن محسوس ہونے لگی اور قوی مجسمہ بے اختیارانہ اپنی آغوش کھولکر نازک مجسمہ کے کیطرف بڑھا۔ اس مجسمہ نے کوشش کی لیکن قدم نہ اُٹھے، سینہ دھڑکا اور حلقۂ آغوش مین آکر اسنے آنکھین جھکا لین، گردن ایک جانب ڈالدی اور وہ لب جو اسوقت تک نہ کھُلے تھے، اُنکو سب سے پہلے اس نطق و جنبش کی تعلیم دی گئی جسے دنیائے محبت مین "پیمانِ وفا" کہتے ہین ــــــ ملائکہ اس منظر سے پوری طرح آسودہ نہ ہوئے تھے کہ یکایک یہ دونون ہستیان نگاہون سے غائب ہو گئین اور اُس نگارخانہ مین پہونچا دی گئین جہان صرف لوح و قلم کی حکومت تھی اور کائنات کی آیندہ تہذیب و آرائش کے نقوش محفوظ ـــــ تخلیق آدم وحوا اسی مشق اولین کا نقش ثانی تھی جو کروڑون برس بعد بروئے کار آئی اور آج روئے زمین کی ساری رونق اُسی ایک جذبہ کے ماتحت قایم ہے جس کو ایک نور کی طرح انسان کے سینے مین جگہ دی گئی تھی۔

چونکہ مین قدرت کے اس راز کو اب ظاہر کر چکا ہون اسلئے مجھے کوئی عذر نہ ہوگا اگر واعظین ذکر میلاد کی کتابون مین تخلیق آدم وحوا کے قصہ سے پہلے اس واقعہ کو درج کر دین، جو یقیناً اُن کے بہت سے گھڑے ہوئے افسانون سے زیادہ دلچسپ و عجیب و غریب ہے۔

باب الاستفسار

جناب محمد نذیر صاحب بہاراوی بمبئی

"مجھے وحی کے متعلق کچھ دریافت کرنا ہے۔ براہ نوازش اس کا جواب اپنے رسالہ مین شایع کرکے شکریہ کا موقعہ دین۔ وحی کے معنی اور حقیقت کیا ہے۔ یہ کس طرح عمل مین آتی تھی۔ کیا کسی غیر پیغمبر کو وحی ہو سکتی ہے۔ اگر ہو تو اسکا کیا درجہ ہے۔ جن پیغمبرون کو کوئی کتاب نازل نہین ہوئی ان پر کیا احکام وحی کئے جاتے تھے۔ اگر تمام پیغمبرون پر وحی ایک ہی طرح ہوتی رہی تو کیا صرف امت کی مرضی پر منحصر تھا کہ جن سے احکام کو ترتیب دیکر کتاب کی صورت بنادی وہ اہل کتاب ہوگئے اور دوسرے اس سے محروم رہے"

(نگار) تین لفظ ہین جو تقریباً ایک ہی معنی مین مستعمل ہوتے ہین:۔ وحی۔ الہام۔ القا۔ لغت مین وحی کہتے ہین اشارہ کرنے کو، پیغام پہونچانے کو، جلدی کرنے کو اور لکھنے کو۔ وحی کے بعد اکثر صلہ اِلیٰ کا استعمال ہوتا ہے اور کبھی بغیر کسی صلہ کے بھی مستعمل ہوتا ہے صلۂ اِلیٰ کے ساتھ جب استعمال ہوتا ہے تو اس کا مفہوم اشارہ کرنا اور بھیجنا ہوتا ہے مثلاً:۔ وحی الیہ (اشارہ کیا اور پیامبر بھیجا اس کی طرف)، وحی الیہ کلاماً (اُس سے خفیہ بات کی)، وحی الذبیحۃ (جانور کو جلدی ذبح کیا) وحی الکتاب (خط) وحی مکتوب کے معنی مین بھی آتا ہے اور واحی جلدی کرنے والے کو کہتے ہین۔ الہام، تعدیہ مزید ہے لہم کا جس کے معنی نگلنے کے ہین اسلئے الہام کے معنی نگلوانے کے ہوئے۔ القاء کے معنی ڈالنے اور پہونچانے کے ہین، چنانچہ القی الیہ القول بات پہونچانیکے معنی مین مستعمل ہوتا ہے۔

ان تینون الفاظ مین ایک مفہوم بقدر مشترک سب مین موجود ہے یعنی خلاف معمول خارج سے کسی شے کا حاصل ہونا، اسی لئے جب ان الفاظ کے اصطلاحی معنی پیدا کئے گئے تو ان مین بھی خارج کی رعایت ملحوظ رہی اور چونکہ مذہب و نبوت کے باب مین تمام تعلیمات و تلقینات کا منبع ذاتِ خدا ہے اس لئے وہ خارج فضا، ذات خدا سے متعلق کی گئی اور وحی، الہام، و القاء کے معنی ہو گئے اُن ہدایات و اشارات کے جو خدا کی طرف سے نبی کی طرف بھیجے جاتے ہین۔ کلام مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ وحی و الہام کا غیر ذات نبی کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور خدا النحل (شہد کی مکھی) کی طرف بھی وحی بھیجتا ہے (فاوحی ربک الی النحل) اور حضرت موسیٰ کی ماں کو بھی وحی بھیجی حالانکہ وہ نبیہ نہ تھین (اذا وحینا الی امک مایوحی) اور حواریین مسیح کو بھی وحی بھیجی حالانکہ وہ نبی نہ تھے (واذ اوحیت الی الحواریین ان آمنوا بی وبرسولی) اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ شیاطین و اعداء نبی کو بھی وحی بھیجتا ہے (وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضہم الی بعض زخرف القول غرورا) یہی حال الہام کا بھی ہے کہ فاجر و متقی دونون کا فجور و تقویٰ الہامی چیز بتایا گیا ہے (فالہمہا فجورہا وتقواہا) اس سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ وحی و الہام نام ہے اُس صلاحیت کا جو ایک مخصوص قوت ادراک کے وجہ سے ایک شخص کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ پس جس شخص مین یہ قوت دماغی ساخت کے

لحاظ سے جتنی اچھی یا بری، قوی یا ضعیف ہوگی، اسیقدر ایک شخص متقی یا فاجر، ذکی الحس یا بلید الادراک ہوگا۔ گویا وحی یا الہام تمام ہے صرف ایک مخصوص فطری حس (Intuition) کا جو ایک شخص قدرت کی طرف سے لیکر آتا ہے اور اسی کے زیر اثر اس سے مخصوص افعال سرزد ہوتے ہیں۔ پھر چونکہ نبوت بھی اکتسابی چیز نہیں ہے، بلکہ نبی پیدا ہوتا ہے، اور وہ اپنی دماغ کے ساخت، قوت ادراک کی نوعیت، اثر و تاثر کی شدت، فطانت و ذکاوت کے لحاظ سے عام انسانوں سے بہت بلند ہوتا ہے اس لئے اس میں وہ کیفیت بہت شدید ہوتی ہے جسے وحی والہام سے تعبیر کیا جاتا ہے، انسان پر کسی خاص جذبہ یا کیفیت کا طاری ہونا حقیقتاً اک نوع کے مقناطیسیت ہے جس سے انسان پہلے خود متاثر ہوتا ہے اور پھر دوسروں کو متاثر بناتا ہے۔ پھر یہ کیفیت جتنی زیادہ قوی ہوگی اسیقدر وہ خود بھی متاثر ہوگا اور دوسروں کو بھی متاثر کریگا۔ ہم ایک غمزدہ انسان کو دیکھ کر کیوں ملول ہوجاتے ہیں، ایک سوگوار ماں کا بین سنکر کیوں رنجیدہ ہوجاتے ہیں، ہم ایک معصوم بچے کو دیکھ کر کیوں بچوں کی سی حرکتیں کرنے لگتے ہیں؟ اس لئے کہ اس کا غم، اس کی سوگواری اور اُس کی معصومیت ایسا شدید حال ہے ایسی قوی مقناطیسیت ہے کہ دوسروں کا اس سے متاثر ہوجانا ناگزیر ہے۔

جس کسی شخص پر کوئی خاص کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کی تمام قوتوں میں اک مخصوص قسم کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کے وہ قوائے کا منہ بھی ظاہر ہوجاتے ہیں جو اس سے قبل پوشیدہ و خوابیدہ تھے۔ مخصوص کیفیات کے ماتحت مخصوص افعال اس سے سرزد ہونے لگتے ہیں، مخصوص الفاظ اس کے منہ سے نکلنے لگتے ہیں اور دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے کہ ایسا کیونکر ہوا۔ غصہ کی حالت میں کمزور انسانوں کی طرف سے بھی غیر معمولی قوت کا اظہار دیکھا جاتا ہے اور انتہائی جوش و تاثر کے عالم میں جو الفاظ ایک واعظ کے زبان سے نکل جاتے ہیں، وہ یوں معمولی حالت میں ممکن نہیں

نبی چونکہ فطرت سے نہایت ہی روشن دماغ، اعلیٰ صلاحیت، غیر معمولی ذکاوت حس اور روحانی بلندی لیکر آتا ہے اس لئے اس کے اندر ہمیشہ نیک جذبہ پیدا ہوتا ہے اور جو جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ انتہا درجہ کا قوی اور بڑی زبردست مقناطیسی قوت رکھنے والا ہوتا ہے۔ خود اس کے اوپر ایک کیفیت محویت و استغراق (Trance) کی طاری ہوتی ہے اور اس حالت کے ماتحت مخصوص نوع کے الفاظ اس کے زبان سے ادا ہوتے ہیں، جن میں قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہوتا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اور قوت اس سے یہ سب کچھ کہلا رہی ہے۔ اس حالت میں جو کچھ ایک نبی کی زبان سے نکلتا ہے اُسے وحی والہام کہتے ہیں اور اس قوت و صلاحیت کو مذہبی زبان میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے روح القدس یا جبرئیل سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ الہامی کتاب اسی معنی میں خدا کا کلام ہے جیسا کہ عام طور پر انسان کی گفتگو حقیقتاً غلطی میں مبتلا ہیں۔ خدا جس طرح زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اسی طرح وہ الفاظ و کلام کی پابندی سے بھی مبرا ہے۔ اس کی زبان کائنات کا ہر ہر ذرہ ہے اور اس کی گفتگو درخت کا ایک ایک پتہ۔ اس نے اپنی کلام کرنے کے طریقے خود بتائے ہیں اور نوع انسانی سے اسکا

کلام جس انداز سے ہوتا ہے اس کا بیان قرآن پاک مین اس طرح کیا گیا ہے :-

"وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من وراء حجاب او یرسل رسولا"

(انسان کی حیثیت یہ نہین ہے کہ خدا اُس سے کلام کرے۔ ہان اس کے کلام کرنے کی صورت یہی ہے کہ یا تو اُس پر کوئی وحی نازل کرتا ہے یا پردہ کی اوٹ سے خطاب کرتا ہے، یا کسی پیامبر کو بھیجتا ہے) یعنی یا تو وہ انسان مین کوئی خاص قوت یا ملکہ ایسا پیدا کر دیتا ہے جو اس کی رہبری کرے یا صحابات مادی اُٹھا کر مظاہر و آثر پر غور و تدبر کرنے کی صلاحیت تفویض فرما دیتا ہے جس سے وہ غایت آفرینش کو سمجھکر اشاراتِ قدرت کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے یا پھر وہ کسی رسول کے ذریعہ سے تمام ہدایات انسان تک پہونچاتا ہے۔

وحی والہام کے لئے نہ کسی ملک و زمانہ کی قید ہے نہ قوم و ملت کی وہ ہر شخص اور ہر مسلک والے کے لئے ہے بشرطیکہ قدرت نے اس مین اس کی صلاحیت ودیعت کر دی ہو اور وہ اس صلاحیت سے فایدہ اُٹھانا چاہے۔

قرآن مجموعہ ہے انھین تمام الہامات کا جو وقتاً فوقتاً خاص کیفیت تاثر کے ماتحت رسول اللہ کے قلب پر نازل ہوئے اور جو مخصوص محویت واستغراق کے عالم مین آپ کی زبان سے نکلے۔ اس لئے جس مجموعہ کو قرآن کہتے ہین وہ یقیناً کلام انسانی ہے (کیونکہ انسانی زبان سے متعلق ہے) لیکن پیدا ہوا ہے الہام سے، وحی سے، اور اُن تاثرات روحانی سے جو حجابات کے اٹھ جانے کے بعد پیدا ہوتے ہین خود خدا نے قرآن کا جو مفہوم بتایا ہے وہ اس بیان کی تائید کرتا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وکذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا (اسی طرح ہم نے اپنے منشاء سے تیری طرف اشارۂ روحانی کیا ہے)۔

یعنی جسے کلام خدا کہا جاتا ہے وہ نتیجہ ہے صرف اشارۂ روحانی کا، ہدایت غیبی کا جو مخصوص الفاظ کی صورت مین رسول اللہ کی زبان سے ادا ہوئے۔

اس مین شک نہین کہ وحی و الہام رسول اللہ سے پہلے بھی اور انبیاء پر ہوا اور بعد کو بھی ایسے لوگ پیدا ہوئے اور ہوتے رہین گے جو الہامات ربانی کا مہبط قرار دیئے جاسکتے ہین لیکن اس سے وہ تفاوت مراتب نہین محو ہو سکتا، جو قدرت نے تخلیق کے وقت ودیعت کر دیا تھا۔ اور اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ کس نبی کے الہامات کس مرتبہ کے ہین اور کس شخص مین کتنی صلاحیت ہدایات ربانی کے قبول کرنے کی پائی جاتی تھی،

علماء متقدین نے وحی والہام کے متعلق جو بحثین کی ہین ان کا ذکر اس موقعہ پر بیکار ہے، کیونکہ انھون نے جو کچھ کہا اُس وقت کی ذہنیت کے لحاظ سے کہا اور اب انکا اعادہ مفید یقین نہین ہو سکتا، لیکن اسقدر ضرور عرض کرونگا کہ روایات اسلامی مین وحی والہام کے متعلق جتنا حصہ جبرئیل سے متعلق ہے وہ سب تشبیہی انداز بیان مین داخل ہے۔ اور جبرئیل سے مراد صرف وہ ملکہ و قوت فطری ہے جو رسول اللہ مین قبول وحی والہام کے متعلق پائی جاتی تھی۔ ورنہ کلام مجید نہ عرش پر منقوش تھا جسے پڑھکر جبرئیل آتے اور رسول اللہ کے کان مین ڈالتے تھے اور نہ خدا کی کوئی زبان ہے جسے الفاظ کا محتاج

ہونا پڑے۔

(۲)

(جناب خورشید احمد صاحب ۔ شاہ گنج حیدرآباد دکن)

بیعت کا مسئلہ میری سمجھ مین نہین آتا ہے۔ براہ کرم نگار کے باب الاستفسار مین تھوڑی جگہ مرحمت ہو کر صراحتہً ایما ہو کہ بیعت کیا ہے، اس کی ضرورت کس حد تک ہے اور موجودہ مرشدی و مریدی کی صورت کیسی ہے۔

(**نگار**) بیعت جس حد تک ہیئت اجتماعی کے نظام سے متعلق ہے، اس کو بہت قدیم ماننا پڑیگا، کیونکہ عہد قدیم مین بھی جب انسان دور وحشت مین تھا، دشمنون کی مدافعت کے لئے کسی ایک کو اپنی جماعت مین سے رہبر و قاید مقرر کرتا تھا اور اس کے حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ اس خوئے تسلیم کا نام بیعت ہے خواہ وہ کسی نیک مقصد کے لئے ہو یا برے مقصد کے لئے۔

جب سے تاریخ نوع انسانی کا سراغ لگا ہے بیعت کا وجود بھی اُسی وقت سے پایا جاتا ہے اور تمام مذاہب عالم جملہ نظامات تمدن و اجتماع کی بنیاد اس بیعت پر قایم ہے۔ بلکہ مین تو یہ کہونگا کہ بدو عالم سے یعنی اس وقت سے جب قدرت نے قوی و ضعیف افراد کی تخلیق کی بیعت کی رسم برابر چلی آرہی ہے اور سارے عالم کا نظام اس پر منحصر ہے۔

انبیا و رسل کے معتقدین کا اُن کے احکامات کی تعمیل کرنا، استقامت و امانت کا عہد کرنا، ایثار و قربانی سے دریغ نہ کرنا، اور جانین تک نثار کر دینا یہ سب بیعت ہی کا توکرشمہ تھا اور آج بھی آپ کا اپنے کسی بزرگ کے فرمان پر عمل کرنا کسی مقتدر ہستی کے حکم سے سرتابی نہ کرنا سب بیعت ہی کا نتیجہ ہے۔ بیعت حقیقتاً اعتراف ہے کمزوری کا قوت کے حضور مین خواہ وہ قوت جسمانی ہو یا دماغی، مادی ہو یا روحانی۔ اس لئے جبتک دنیا مین قوی و ضعیف افراد پائے جاتے ہین، بیعت بھی پائی جاتی ہے اور اس سے مفر نہین۔

اب رہا یہ امر کہ بیعت کے لئے کسی رسم کا ادا کرنا، سو یہ بھی خلاف عقل و مصلحت نہین ہو سکتا کیونکہ کسی جذبہ کے اظہار کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی صورت ضرور ہوتی ہے اور جب تک اس کو ظاہر نہ کیا جائے نہ خود اپنے آپ کو تسکین ہوتی ہے نہ دوسرے کو اس کا علم ہوتا ہے۔ ہات مین ہات دینا یا ہات پر ہات مارنا معاہدہ کی نہایت قدیم صورت ہے اور اکثر اقوام و ممالک مین اس کا رواج پایا گیا ہے۔ اس لئے اگر آج بھی ایک مرشد اپنے شاگرد یا ارادتمند سے بیعت لیتا ہے اور اسکا ہات اپنے ہات مین لیکر استواری اخلاق کا عہد لیتا ہے تو اس مین کیا برائی ہے، اور اسکو کیون خلاف عقل و فطرت سمجھا جائے۔

انسانی ساخت مین چونکہ بہت سے عناصر مادی شامل ہین، اس لئے وہ خصوصیات مادہ سے کبھی بے نیاز نہین ہو سکتا اور اس عالم آب و گل مین اس کے ذہن کو مدد پہونچانے کے لئے ہمیشہ مادی نسبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی انسان نے

کہا جائے کہ اپنے ذہن و دماغ کو یکسو کرے تو وہ اس مین کامیاب نہ ہوگا لیکن اگر اس کے سامنے کسی مادی چیز کو رکھ کر کہا جائے کہ وہ اپنے نفس کی توجہ کا مرکز اس کو قرار دے تو کامیاب ہو جائیگا، یہی ہے وہ فطرت انسانی کا راز جس کو پیش نظر رکھ کر بتون، ہیکلون، مجسمون، تمثالون، مسجدون، کلیساؤن اور مندرون کی بنیاد پڑی - ظاہر ہے کہ اصل مقصود ان مادی چیزون کی پرستش نہین ہے لیکن توجہ نفس اور مرکز خیال کے لئے زمان و مکان اور مراسم عبادت کی تعیین کرنا پڑی - بالکل یہی فلسفہ بیعت کا بھی ہے کہ اگر ایک شخص اپنے آپ کو کسی کی قیادت و رہنمائی مین دینے کے لئے آمادہ ہے تو ایک خاص رسم اس کے لئے وضع کی گئی تاکہ وہ اسے تکمیل بیان و ثبات عہد کا نشان قرار دے سکے اور بعد کو منحرف ہوتے مین اُسے تامل ہو

اب رہا یہ مسئلہ کہ زمانۂ موجودہ مین جو یہ سلسلۂ پیری مریدی بیعت کا رواج ہے وہ کس حد تک قابل لحاظ ہے، سو اسکے متعلق مین کیا کہہ سکتا ہون اگر کوئی شخص واقعی بیعت لینے کا اہل ہے تو اس پر کوئی الزام نہین اور اگر نہین ہے تو وہ بیعت کا غلط استعمال کرتا ہے - نفس بیعت کے اچھے ہونے پر اس کا کیا اثر پڑ سکتا ہے -

عطر — تیل — عطر

ہر ماہ مین دس روپیہ کا عطر بطور تحفہ

اگر آپکو ایسے عطرون کی خواہش ہے جو آپکے دماغ کو تر و تازہ کر دین - اور جن کے لگانے سے آپکو یہ معلوم ہو - کہ آپ پھولون کی کیاری مین بیٹھے ہین - تو ہمارے نئے طریق سے تیار کردہ عطرون کا استعمال کرین - جو میسور گورنمنٹ کے کارخانہ کے خالص صندل کے تیل مین تیار کئے جاتے ہین - گو ہمارے پاس ہر قسم کے قیمتی عطر موجود ہین لیکن مندرجہ ذیل سستے عطرون کے نمونے کے لئے ہم سفارش کرتے ہین -

عطر چنبیلی - عطر گلاب - عطر سوسن - عطر عباسی - عطر تبریزی - عطر سنگترہ - عطر کرنا - عطر نرگس - عطر خس ہر ایک عہ ۱۲/ فی تولہ

انکے علاوہ چنبیلی - گلاب - سوسن - تبریزی - سنگترہ اور نرگس کے عطر تین پانچ - آٹھ روپیہ تولہ اور اس سے زیادہ قیمت کے مل سکتے ہین - ہمنے فیصلہ کیا ہے کہ ہر ماہ مین قرعہ ڈالکر اپنے گاہکون سے پہلے تین نمبرون پر رہنے والون کو پانچ روپئے - تین روپئے اور دو روپئے کے عطر بطور تحفہ بھیجا کرینگے - اگر آپ ماہ مئی کے انعام مین حصہ لینا چاہتے ہین - تو فوراً اپنی درخواست بھیجدین -

ہمارا دلکشا ہیر آئیل | بادام روغن زیتون اور تلون کے تیل سے مرکب مفید ادویہ سے تیار کردہ خوشبودار تیل فی سیر عہ ۵/ اور پاؤ بھر کی بوتل ۱۲/ کی بالون کے لئے بہترین تیل ہے - فوراً منگوا کر دیکھین - درخواست دیتے وقت رسالہ کا حوالہ ضرور دین -

دلکشا پرفیومری کمپنی - قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

مطبوعات موصولہ

اُردو شہ پارے جلد اول مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ام اے۔ پی ایچ ڈی مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن۔

ہر زبان کی ترقی کے تین دور ہوا کرتے ہین، پہلا دور تراجم کا، دوسرا تالیفات کا اور تیسرا تصانیف کا۔ اس مین کلام نہین کہ اردو زبان پہلے دور سے گزر کر دوسرے دور مین آ گئی ہے اور اگر ہم سرزمین دکن کی علم پرور فضا کے کارنامون پر نگاہ ڈالین تو کہا جا سکتا ہے کہ شاید اسنے تیسرے دور مین بھی قدم رکھدیا ہے۔

اس دوران مین اُردو کی جو خدمت اپنی بیش بہا تصانیف و تالیفات سے فرزندان دکن نے کی ہے، وہ ایسی معمولی نہین ہے کہ کوئی شخص اُسے نظر انداز کر دے۔ یقیناً حیدر آباد اس وقت حالت نہضت (Renaissance) مین ہے اور اس کے یہ مختلف دلچسپ مناظر ہین کہ ایک طرف عثمانیہ یونیورسٹی نشر علم مین نمایان حصہ لے رہی ہے اور دوسری طرف وہان کے طلبہ عملاً ملک و زبان کی خدمت مین مصروف نظر آتے ہین۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری جو حال ہی مین لسانیات کی تحقیقات سے فارغ ہو کر ولایت سے واپس آئے ہین معروف و مقتدر نوجوانان دکن مین سے ہین اور اُردو شہ پارون کی پہلی جلد انھیں کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ اس مین اُردو ادب کے آغاز سے دلی کے اب تک جتنے مشہور شاعر و نثر نگار ہوئے ہین انکے حالات اور ان کے کلام نظم و نثر کے بہترین نمونے دیے ہوئے ہین۔ اس کتاب کو چار حصون مین تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب مین اُردو ادب کی ابتدائی حالت پر نظر ڈالی گئی ہے، دوسرے باب مین بیجاپور، تیسرے مین گولکنڈہ اور چوتھے مین عہد مغلیہ کے اُردو ادب سے بحث کی ہے۔ اس کے بعد شہ پارون کا انتخاب ہے۔ اس کتاب کے ضمیمے بعض نہایت بیش قیمت معلومات پر مشتمل ہین اس مین علی عادل شاہ، سید شاہ راجو، ابو الحسن تانا شاہ، محمد قلی قطب شاہ، عبد اللہ قطب شاہ، غواصی اور ابن نشاطی کی تصویرین بھی شامل ہین کتاب ولایتی کھردرے کاغذ پر مجلد شایع کی گئی ہے اور صوری و معنوی دونون حیثیت سے عہد حاضر کی بہترین تالیفات مین جگہ پانے کے قابل ہے۔ قیمت درج نہین ہے

اس سلسلہ کی دو جلدین زیر ترتیب ہین جن مین زمانہ حال تک کے مصنفین سے بحث کیجائے گی۔

مختصر تاریخ اسلامی حصہ اول جناب مولوی محمد خلیل الرحمان صاحب مترجم اخبار الاندلس سے اب ہر شخص واقف ہے انھون نے اپنی عمر کا کافی حصہ تاریخ اندلس کے مطالعہ مین صرف کیا ہے اور اس طرح عمومی طور پر تمام تاریخ اسلام پر انھین عبور حاصل ہو گیا ہے۔ اس مختصر کتاب مین انھون نے رسول اللہ کے حالات سے نہایت صاف و سلیس زبان مین بحث کی ہے اور ہر حیثیت سے اس کو طلبہ کے استعمال کے لئے موزون بنایا ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسی کتابین نصاب مین داخل کیجائین۔

قیمت ۸ر ملنے کا پتہ: مقتدر کلیم الرحمان بی اے۔ ۱۷ ہیلی روڈ الہ آباد۔

اردو زبان اور ادب ہندوستانی اکاڈمی کے پہلے اجلاس مین ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی تاکہ اردو ہندی کے موجودہ لٹریچر پر ریویو کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اب کس قسم کی تصانیف کی ضرورت ہے۔ اُردو کے متعلق جو کمیٹی مرتب ہوئی تھی اس کے صدر سید ضامن علی صاحب ام اے (صدر شعبۂ اُردو الہ آباد یونیورسٹی) تھے۔ انھون نے یہ رپورٹ مرتب کرکے اکاڈمی کے کونسل مین پیش کی تھی۔ اس مین زبان اُردو کی ابتدا اور اس کی تدریجی ترقی سے بحث کرتے ہوئے ہندوستانی اکاڈمی کو چند مفید مشورے دیئے ہین جو ترقی زبان کے لئے ضروری ہین، اس رپورٹ مین ایک فہرست بھی بعض ان مشہور کتابون کی ہے جو شروع سے اس وقت تک تالیف کی گئی ہین۔ یہ کتاب دفتر ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد سے ملسکتی ہے

کردار اور افسانہ جناب عبدالقادر سروری ام۔ اے اس سے قبل "دنیائے افسانہ" لکھ کر کافی شہرت حاصل کرچکے ہین۔ اب انھون نے یہ دوسری کتاب پیش کی ہے جسے "دنیائے افسانہ" کا تتمہ سمجھنا چاہئے۔ اس مین سیرت نگاری سے بحث کرکے مثالاً مثنوی شعرالبیان کے نجم النسا، مراثی انیس کے عون و محمد، نذیر احمد کے نصوح و نعیمہ اور داستان امیر حمزہ کے عمرو عیار کے کردار سے بحث کی ہے، کتاب بہت دلچسپ، مفید، اور پر از معلومات ہے کتاب مجلد شایع ہوئی ہے اور عہ مین مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد سے ملسکتی ہے

تابش خیال جناب افسر امروہوی کی غزلون کا مجموعہ ہے۔ پہلے ایک مختصر دیباچہ ہے اس کے بعد اسرار احمد صاحب کوثر کا مقدمہ ہے جس مین انھون نے جناب افسر کے خصوصیات شاعری سے بحث کی ہے اور پھر اصل حصہ غزلیات کا ہے۔

جناب افسر کی بعض غزلین نگار مین شایع ہوئی ہین اور اس مین شک نہین کہ ان مین ایک اچھے شاعر بننے کی بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہین۔ جناب افسر مصحفی وخاندان مصحفی کے بہت معتقد ہین جس سے اُن کے حُسنِ ذوق کا پتہ چلتا ہے اور وہی رنگ اپنے کلام مین پیدا کرنا چاہتے ہین۔ بعض شعر ملاحظہ ہون:

منزل عشق و محبت کسقدر سنسان ہے — آشنا تو آشنا نا آشنا ملتا نہین

اب مرے دل کو نہین تشویش راہ و راہبر — بیخودی نے بے نیاز فکر منزل کردیا

ہجوم حشر پر موقوف رکھنا اپنے ملنے کو — ستمگر چلتے چلتے چل گیا فقرہ قیامت کا

ہم تو جنون مین کہہ گئے جو منہ مین آگیا — اب ایک ایک لفظ کو سمجھا کرے کوئی

یہ مجموعہ عہ مین شاہد علی امجد علی رام سوامی نسروان کمپونڈ کراچی سے ملسکتا ہے

نصاب مرغوب

مولوی قمر علی ام اے - ال ال بی ایڈوکیٹ الہ آباد ان چند جدید تعلیم یافتہ حضرات مین سے ہین جنھون نے اپنی مشرقی خصوصیات کو ترک نہین کیا اور یہی بات ہے کہ ان کی فکر و مطالعہ کا موضوع زیادہ تر مشرقیات ہی رہتا ہے

فاضل موصوف نے حال ہی مین چند کتابین شایع کی ہین جن سے مقصود عربی زبان کی تعلیم مین آسانیان پیدا کرنا ہے انھین مین سے ایک نصاب مرغوب ہے جو دو حصون مین شایع کیا گیا ہے، چونکہ نصاب کی کتاب ہے اس لیئے اس کے اصول سے جزئی بحث کرنے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی، لیکن یہ یقین ہے کہ اگر بچون کے سامنے یہ کتاب رکھکر ان کو عربی زبان کی تعلیم دیجائے تو نہایت آسانی سے اور بہت جلد تمام ضروری قواعد صرف و نحو پر عبور ہو سکتا ہے اور وہ قابلیت جو پرانی کتابون سے برسون مین آتی ہے اس کتاب کی مدد سے مہینون مین آسکتی ہے - مین فاضل مولف کی اس سعی کو نہایت مسرت کی نگاہ سے دیکھتا ہون اور عربی زبان کے متعلمین سے استدعا کرتا ہون کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرین قیمت ہر جلد کی ۱۲؍ رکھی گئی ہے اور منیجر صاحب فیض پریس بریلی سے ملسکتی ہے

المعلّم

یہ کتاب بھی مولوی قمر علی صاحب کی مولفہ ہے اور دو جلدون مین شایع ہوئی ہے، انھون نے عربی کے نصاب جدید الاسلوب کی توضیح و تفسیر دو جلدون مین کی ہے اور اس کا نام المعلّم رکھا ہے، افسوس ہے کہ مین نے نصاب جدید الاسلوب نہین دیکھا لیکن جہانتک توضیح و ترجمہ کا تعلق ہے مین المعلّم کو بھی مکمل چیز پاتا ہون ہر جلد کی قیمت ۱۲؍ ہے ملنے کا پتہ یہی ہے

مصباح الابصار

مولفہ مولوی قمر علی صاحب - اس مین انھون نے ثابت کیا ہے کہ عربی کا مروجہ نصاب محتاج اصلاح ہے اور عربی زبان کے سیکھنے مین جو آسانیان پیدا ہو سکتی ہین ان کی طرف اشارہ کیا ہے - اس کی قیمت ۱؍ ہے اور ملنے کا پتہ مطبع فیضی بریلی

درخت خرد

مولوی قمر علی صاحب نے اس رسالہ مین چند علمی و ادبی لطائف صنعت مقلوب کے متعلق ایک قصہ کے پیرایہ مین لکھے ہین اور بہت دلچسپ ہین قیمت ۱؍ ملنے کا پتہ مطبع فیض بریلی -

القضاء فی الاسلام

مولوی عبد السلام صاحب ندوی نے اس کتاب مین گواہی دینے کے طریقے اور مقدمات فیصل کرنے کے اسلامی اصول سے بحث کی ہے - اس کتاب کو نہ صرف وکلاء اور عدالتون کے مطالعہ مین آنا چاہیئے بلکہ یون بھی ہر شخص کو دیکھنا چاہیئے تاکہ اُسے زرین عہد اسلام کے طریق قضاء و عدالت کا علم حاصل ہو، کتاب بہت دلچسپ زبان مین کامل تحقیق کے بعد لکھی گئی ہے - ضخامت ۹۲ صفحات - قیمت ۱۲؍ ملنے کا پتہ دار المصنفین اعظم گڈھ

قول حق

مولوی اکبر شاہ خان نجیب آبادی ملک کے ان منتخب نفوس مین سے ہین جو تاریخ اسلام کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتے ہین اور اسی کے ساتھ ہمیشہ تحریر و مطالعہ مین مصروف رہتے ہین - مولانا موصوف کی متعدد تاریخی کتابین ملک سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہین - یہ کتاب آپ نے حال ہی مین لکھی ہے جس کا موضوع اس معمہ کو

حل کرنا ہے کہ مسلمان کیونکر ترقی کر سکتے ہین۔ فاضل مصنف نے پہلے چند ابواب مین شروع سے لیکر اس وقت تک کے اسلام اور پیروان اسلام کی حالت پر نہایت ہی جامع اخلاقی، علمی، مذہبی اور سیاسی تبصرہ کیا ہے اور پھر کلام مجید کی تعلیم اور رسول اللہ صلعم کی حقیقت سے بحث کرکے بتایا ہے کہ شرک و اسلام کا صحیح مفہوم کیا ہے اور مسلمانون کے لئے کونسی راہ فوز و فلاح کی ہے۔

یہ کتاب شروع سے آخر تک ایک دردمند دل، ایک باخبر دماغ، ایک ذی ہوش مصلح کی داستان پند و موعظت ہے اور مین کہہ سکتا ہون کہ اس دور مین جبکہ اسلام کا مفہوم صرف جہل و قدامت پرستی رہگیا ہے، کسی ایسی کتاب کا شایع ہونا ایسی برمحل بات ہے کہ شاید ہی اس کے افادہ سے کسی کو انکار ہو سکے۔

ضخامت ۲۶۸ صفحات، کتابت طباعت پسندیدہ۔ قیمت عام ملنے کا پتہ منیجر عبرت نجیب آباد۔

غلط العوام مطبع مجیدی کانپور نے جناب منیر لکھنوی سے یہ رسالہ مرتب کراکے شایع کیا ہے اس رسالہ کے پہلے حصہ مین اُن متعارف الفاظ کو ردیف وار پیش کیا ہے جنکے اعراب عام طور پر غلط مشہور ہین۔ دوسرے حصہ مین اُن الفاظ کی تصریح ہے جن کا تلفظ کئی طرح ہوتا ہے اور عوام کو معلوم نہین ہے، تیسرے حصہ مین وہ الفاظ دیئے گئے ہین جو ترکیب یا معنی کے لحاظ سے غلط استعمال ہوتے ہین، چوتھے حصہ مین وہ الفاظ ہین جن کا املا غلط لکھا جاتا ہے، اس کے بعد الفاظ متروک و قابل ترک کی فہرست دی ہے اور پھر ٹکسال باہر لفظون کو ردیف وار تحریر کیا ہے۔ رسالہ صرف ۸۰ صفحات کا ہے، لیکن نہایت مفید معلومات سے لبریز ہے۔ میری رائے مین یہ رسالہ ہر اردو زبان کے شایق کو دیکھنا چاہئے اور ہر لائبریری مین اس کو موجود رہنا چاہئے۔

قیمت ۸/ مقرر کی گئی ہے جو کسی طرح زاید نہین ہے۔

محاورات نسوان یہ رسالہ بھی مطبع مجیدی نے شایع کیا ہے اور جناب منیر لکھنوی نے مرتب کیا ہے اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ عورتون کے محاورات اردو کے مختلف نقشون مین منتشر طور پر پائے جاتے ہین، لیکن جناب منیر نے انھین یکجا کر دیا ہے۔ ضرورت تھی کہ استقصا کامل کیا جاتا اور رسالہ تمام محاورات پر حاوی ہوتا۔ میرے نزدیک یہ رسالہ بہت تشنہ ہے۔ تاہم جتنا ہے غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اس کی ضخامت ۸۰ صفحات ہے اور قیمت ۸/

بازاری زبان یہ بھی جناب منیر لکھنوی کی کاوش کا نتیجہ ہے اور مطبع مجیدی کانپور نے شایع کیا ہے ہر ملک مین بازاری زبان کتابی زبان سے بالکل علحدہ ہوا کرتی ہے اور جب تک اسکو اُس ملک مین جاکر نہ سیکھا جائے حاصل نہین ہو سکتی۔ یہی حال اردو کا بھی ہے کہ اس سے بہت کے بازاری محاورات سے اہل علم ناواقف ہین۔ جناب منیر کی یہ کوشش قابل تحسین ہے کہ انھون نے عوام کے بازاری محاورات اور بعض مخصوص پیشہ ور جماعتون کے اصطلاحین اس رسالہ مین ضبط کر دی ہین۔ ہر چند جس اصول پر اس کام کو ہونا چاہئے تھا اس کا لحاظ نہین رکھا گیا اور مفید پیشہ ورون کے محاورون سے اعتنا نہین کیا گیا، تاہم چونکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی کوشش ہے، اس لئے یقیناً داد کی مستحق ہے۔ ضرورت تھی کہ اس وقت جتنے اہل حرفہ و پیشہ موجود ہین ان کی تمام اصطلاحین درج کیجاتین، ان کے آلات کی

فہرست و تصویر دیجاتی اور ان کے طریق استعمال کو بھی ظاہر کیا جاتا۔ اس کتاب میں جن جماعتون کی اصطلاحین دی ہین ان مین سے زیادہ تر وہ ہین جو نظام تمدن مین کوئی مفید حصہ نہین لے رہین۔ حجم ۱۴۲ صفحات قیمت ۸ر

اسلامی کارنامے پھلواری شریف مین ایک مسلم ایسوسی ایشن قایم ہے جس کے جنرل سکریٹری مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب اسوقت تک متعدد رسایل تاریخی مذہبی مضامین پر لکھ کر شایع کرا چکے ہین۔ یہ رسالہ بھی انھین کی فکر کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب مین فتوحات اسلامی اور مسلمانون کے علمی و صنعتی کارنامون کا حال ایجاز لیکن پوری استقصاء کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے مطالعہ کے بعد پڑھنے والے کے سامنے اک اجمالی خاکہ اسلام کے عہد عروج کا پوری طرح آجاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسی کتابین نصاب مین داخل کیجائین اور عورتون کو بھی ان کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی جائے۔ کتاب بہت صاف چھپی ہے اور مجلد شایع ہوئی ہے، قیمت ایک روپیہ بیشک کچھ زیادہ ہے۔ مسلم بک ڈپو پھلواری شریف پٹنہ سے ملسکتی ہے۔

پیام محبت دیوان چند اینڈ سنز تاجران کتب ریلوے روڈ لاہور نے، پروفیسر رام سروپ کوشل ام۔ اے سے یہ کتاب لکھوائی ہے، جس مین مختلف مذاہب کے انبیاء عظام اور مصلحین کرام کے حالات و تعلیمات اخلاقی کا حال بیان کیا ہے، کتاب کی ترتیب اور زبان اس انداز کی ہے جو پنجاب کے درسی کتابون کی ہوا کرتی ہے۔ اس نوع کی کتابین زبان و علم کی خدمت ہون یا نہ ہون، لیکن ملک و قوم کی خدمت ضرور کہلائین گی۔ قیمت ۱۲ زاید نہین ہے

بعض جدید رسایل اس دوران مین لکھنؤ سے ایک رسالہ ادب کے نام سے شایع ہونا شروع ہوا ہے۔ جس کے پانچ نمبر فروری تک شایع ہو چکے ہین۔ پہلا نمبر میری نگاہ سے نہین گزرا۔ باقی اشاعتین میرے مطالعہ سے گزری ہین اور مین نے بہت کچھ صلاحیت ترقی کی اُس مین پائی ہے۔ اسوقت تک لکھنؤ سے خاص لکھنوی حضرات کے جتنے رسایل نکلے انھون نے خدمت ادب کا مفہوم زیادہ تر "مناقشۂ ادبی" رکھا اور صحیح معنی مین تحقیق و تفتیش کی جانب توجہ صرف نہین کی، لیکن مین یہ دیکھکر مسرور ہون کہ رسالۂ ادب نے ان سب سے علحدہ ہوکر اپنی منزل متعین کی ہے اور وہ زیادہ متین و سنجیدہ انداز سے خدمت ادب کی سعی کر رہا ہے۔ اس مین آثار ادبیہ کے عنوان سے پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی ام۔ اے کے جتنے مقالات نکل چکے ہین وہ باوصف اختصار کے بھی خصوصیت کے ساتھ قابل قدر ہین۔ اور حضرات کے بھی بعض مضامین اچھے معیار کے نکلے ہین۔ الغرض یہ رسالہ سوائے سرورق کے کہ وہ تو بیشک اپنی گلکاریون کے لحاظ سے خالص لکھنوی چیز نظر آتا ہے اور تمام اعتبارات سے نہ صرف غیر لکھنوی بلکہ [illegible] قسم کا معلوم ہوتا ہے اس کا حجم ۴½ جزکا ہے اور قیمت للعہ ر

دوسرا رسالہ مبلغ کے نام سے نکل رہا ہے اور جو صورت و ترتیب ایک مذہبی و تبلیغی رسالہ کی ہونی چاہیئے وہ اس کی بھی ہے۔

تیسرا رسالہ بارہ بنکی (اودھ) سے جناب رئیس احمد صاحب جعفری نے اعجاز کے نام سے نکالا ہے۔ اسوقت تک اس کے صرف دو نمبر میری نگاہ سے گزرے ہین۔ فی الحال مین اس کے متعلق کوئی رائے سوائے اس کے ظاہر نہین کر سکتا کہ ممکن ہے آیندہ اشاعتون مین اس کا کوئی اسلوب ایسا قایم ہو جائے کہ کسی شخص کو اس کے مقصد کی تعیین کرنے مین مدد مل سکے۔

اس کا حجم ۸ جزکا ہے اور قیمت چار روپیہ سالانہ

الہ آباد سے ایک رسالہ چاند کے نام سے جاری ہوا ہے۔ یہ ہندی چاند کی گویا اُردو تعبیر ہے۔ جہانتک تصاویر کی کثرت اور عظیم الحجم ہونے کا تعلق ہے، یوپی کا ایک رسالہ بھی اس کا مقابلہ نہین کر سکتا لیکن افسوس ہے کہ مضامین اور ان کی ترتیب کی حیثیت سے یہ رسالہ باوجود اُردو مین شایع ہونے کے ہندی ہی کا رسالہ معلوم ہوتا ہے۔ اس مین کلام نہین کہ ہندی رسایل اسوقت اپنی کثرت اشاعت و تصاویر کے لحاظ سے بہت ترقی یافتہ ہین اور خصوصاً چاند جس کی اشاعت دس پندرہ ہزار بتائی جاتی ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ تلخ حقیقت بھی قابل اظہار ہے کہ ان مین سے ایک رسالہ بھی ایسا نہین ہے جو معیار کی بلندی اور مضامین کی اہمیت کے لحاظ سے کسی معمولی اُردو رسالہ کا بھی مقابلہ کرسکے۔ اگر چاند کا اردو اڈیشن صرف تجارتی نقطۂ نظر سے نکالا گیا ہے تو اس کی کامیابی مستبعد نہین کیونکہ ہندؤن مین بھی ایک بڑی جماعت ایسی ہے جو ہنوز اُردو زبان اور اُردو رسم الخط کے مطالعہ کے لئے بیتاب نظر آتی ہے اور وہ اس کو ہاتھون ہات لین گے، لیکن اگر اس سے مقصود کسی معیاری رسالہ کا اجرا ہے، تو مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کارکنان چاند کو اس مین مطلق کامیابی نہین ہوئی اور نہ آیندہ کوئی توقع قایم ہوسکتی ہے جب تک دوسری ذہنیت کا اسٹاف اس کے لئے نہ متعین کیا جائے۔

لکھنوی رسایل کے سلسلہ مین، ایک رسالہ کا ذکر مین بھول گیا۔ اس کا نام انکشاف ہے اور جس کا ظریف نمبر حال ہی مین ۲۰۰ صفحات پر شایع ہوا ہے۔ لکھنو مین اردو کا یہ پہلا رسالہ ہے جس نے رنگین تصاویر کا انتظام کیا ہے، چنانچہ ظریف نمبر مین بھی متعدد تصاویر اور کارٹون نظر آتے ہین۔ یہ رسالہ ہرچند ایک آنہ فنڈ کی ملکیت ہے جس کا تعلق صرف مساجد و اہل مساجد سے ہے، لیکن اس کے اڈیٹر جناب نسیم انہونوی (جو باوجود اپنے تخلص کی نسائیت کے حد درجہ مردانہ عزم و ثبات کے انسان ہین، چونکہ خالص ادبی ذوق کے انسان ہین)، اس لئے پالیسی کے لحاظ سے اس رسالہ کا ایک آنہ فنڈ سے کوئی تعلق نہین ہے

ظریف نمبر مین بعض مزاحی مضامین اچھے معیار کے نظر آتے ہین اور رسالہ کا سرسری جایزہ بھی اس نتیجہ پر پہونچے بغیر نہین رہسکتا کہ اس کے مدیر و مرتب نے حقیقتاً بہت محنت و سعی سے کام لیا ہے۔ سالانہ چندہ مین ظریف نمبر مفت ملتا ہے۔ لیکن جو صاحب صرف ایک اسی نمبر کو لینا چاہین، ان کو ایک روپیہ ادا کرنا پڑیگا جو کسی طرح زاید نہین ہے۔ سالانہ قیمت اس رسالہ کی تین روپیہ ہے اور دفتر انکشاف لکھنؤ سے اس کا نمونہ ملسکتا ہے

الہ آباد سے ایک اور رسالہ معلومات کے نام سے جناب احمد الدین احمد ام۔ اے نے جاری کیا ہے۔ یہ رسالہ چھوٹی خوبصورت تقطیع پر نکلا ہے اور پہلے دو نمبر دو دو جزو کے نکلے ہین اس رسالہ کا مقصود معلومات عامہ فراہم کرنا ہے اور جنوری و فروری کی اشاعتون مین جو مضامین شایع کئے گئے ہین، ان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس رسالہ کا یہ نام غلط نہین رکھا گیا یہ رسالہ نہ صرف طلبہ اور عورتون بلکہ ہر شخص کے لئے مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ اس کا سالانہ چندہ عہ ہے اور دفتر معلومات الہ آباد سے اسکا نمونہ ملسکتا ہے۔

اسی دوران مین ایک رسالہ ساقی دہلی سے شایع ہوا ہے جو ۲۰ × ۳۰ کی تقطیع کے ۵ جز پر نکلتا ہے یہ رسالہ علمی و ادبی مضامین کی اشاعت کے لئے نکلا ہے، لیکن اس وقت تک اس کا نمایان حصہ وہی ہے جسے صرف ادب سے منسوب کیا جاسکتا ہے کتابت و طباعت بہت دلکش ہوتی ہے اور ہے اس کا سالانہ چندہ مقرر ہے

ایک زنانہ رسالہ خاتون مشرق کے نام سے خورشید اقبال حیا میرٹھی نے میرٹھ سے جاری کیا ہے اور مارچ تک نو نمبر اس کے نکل چکے ہین۔ ہر چند مجھے بالاستیعاب اس کے مطالعہ کی فرصت نصیب نہین ہوئی لیکن سرسری مطالعہ کے بعد مین صرف یہ سمجھ چکا ہون کہ ابھی تک وہ کسی مخصوص مقصد کو پیدا نہین کر سکا اور ملک کے دوسرے زنانہ رسایل کے مقابلہ مین اس کو کوئی اہمیت نہین دیجا سکتی۔ حجم تین جزو کا ہوتا ہے اور سالانہ چندہ ہے مقرر کیا گیا ہے۔

شاعر کا انجام

جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ جس مین پاکیزگی بیان، اسلوب ادا ندرت خیال اور جدت اظہار کے ایسے ایسے نادر نمونے موجود ہین کہ کسی ادبی تصنیف مین نہین مل سکتے۔ حسن و عشق کی تمام نشہ بخش کیفیات اس کے ایک ایک جملہ مین موجود ہین قیمت علاوہ محصولڈاک (۱۰)

صحابیات

جس مین عہد سعادت کی ۵۰ خواتین کے مستند حالات یکجا کردیئے گئے ہین۔ اس کا مقدمہ مولانا نیاز نے خاص اپنی انشا مین اسقدر جوش و قوت کے ساتھ لکھا ہے کہ مسئلہ نسائیت کے بہت سے نکات اس سے حل ہوجاتے ہین۔

قیمت علاوہ محصول دو روپے آٹھ آنے (عہ/)

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان مین بالکل پہلی مرتبہ تحلیل نفسیاتی کے اصول پر لکھا گیا ہے اسکی بلندی مضمون اور اسکی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہونچتی ہے

قیمت علاوہ محصولڈاک - ایک روپیہ (عہ)

جذبات بھاشا

ہندی شاعری کی حلاوت و شیرینی تمام دنیا کی شاعری مین ایک خاص امتیاز رکھتی ہے۔ جناب نیاز نے ایک دلچسپ تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونہ پیش کر کے انکی ایسی تفسیر و تشریح کی ہے کہ دل بیتاب ہوجاتا ہے۔

قیمت علاوہ محصول بارہ آنے (۱۲)

تذکرۂ خندۂ گل

مولفہ مولوی عبدالباری آسی جسمین ۱۰۰ سے زائد اردو فارسی کے ظریف شاعرون کے حالات مع انکے لطائف و ظرائف و انتخابات کلام کے درج ہین۔ اردو مین اپنے موضوع کے لحاظ سے بالکل اچھوتی چیز ہے۔ حجم ۵۰۰ صفحات قیمت مع محصول چار روپے۔ (للعہ)

منیجر نگار - نظیر آباد لکھنؤ

شاہد معصوم سے

محفل آرائے وفا تو - اور، مین ننگِ وفا
دلِ مرا تاریک ہے — تو چشمۂ نور و ضیا
پست ہے منزل مری اور تو ہے گردون آشنا
نور تیری ابتدا ہے - خاک میری انتہا!
بھول جا، اے شاہد معصوم! مجھکو بھول جا!

میرے آنسو تیرے رنگین ہار کے قابل نہین
میرے داغِ دل — ترے گلزار کے قابل نہین
میری الفت — آہ — تیرے پیار کے قابل نہین
یعنی مین تیری محبت کے لئے ہون ناسزا!
بھول جا اے شاہد معصوم! مجھکو بھول جا!

میری الفت مین نہ اپنی راحتین برباد کر!
میرے غم مین یون نہ اپنی زندگی — ناشاد کر!
مین تو اک خوابِ پریشان ہون نہ مجھکو یاد کر!
چھوڑ دے میرے لئے یہ رات بھر کا جاگنا!
بھول جا، اے شاہد معصوم! مجھکو بھول جا!

تو نگارِ عفت و عصمت ہے — آوارہ ہون مین
تو مقیمِ جلوہ گاہ راز — اور، رسوا ہون مین
آہ — کب تیری محبت کے لئے زیبا ہون مین
کچھ تو شانِ حسن کی معصومیون پر رحم کھا!
بھول جا، اے شاہد معصوم! مجھکو بھول جا!

فطرتِ رنگین کو تو اے دلربا! محبوب ہو!
قدسیون کو تیرا اندازِ حیا محبوب ہو!
آہ ہر محبوب کو — تیری ادا محبوب ہو!
اور تیرے دلکو ہو محبوب ہان اک غم آشنا!
بھول جا! اے شاہد معصوم! مجھکو بھول جا!

ایک ساعت کے لئے حاصل مجھے راحت نہین
میرے سازِ زندگی مین نغمۂ عشرت نہین
آہ — مین ناشاد ہرگز قابلِ الفت نہین
ایک ننگ زندگی کا غم کرے تیری بلا!
بھول جا اے شاہد معصوم! مجھکو بھول جا!

حاملانِ عرش کے دلمین ترا ارمان رہے
عظمتِ کونین — تیرے نام پر قربان رہے
اور تو اک "بیوفا" کی یاد مین نالان رہے
کچھ نہین کھلتا کہ تجھپر کسنے جادو کر دیا!
بھول جا، اے شاہد معصوم! مجھکو بھول جا!

ڈر رہا ہون تیرا رازِ عشق افشا ہو نہ جائے!
محرم اسرارِ خاموشی، یہ دنیا ہو نہ جائے!
یعنی — تو مرے لیے — بدنام و رسوا ہو نجائے!
آہ کیا ہوگا — اگر یہ راز سب پر کھل گیا!
بھول جا! اے شاہد معصوم! مجھکو بھول جا!

گر کسی سے تیرا رازِ عشق سن پاؤن گا مین
منہ چھپا کر بزمِ ہستی سے گذر جاؤن گا مین
آہ! پھر تجھکو نہ دنیا مین نظر آؤن گا مین
گر تجھے مجھسے محبت ہے تو دے مجھکو بھلا!
بھول جا، اے شاہد معصوم! مجھکو بھول جا!

روش صدیقی

"شاعر"

اے مجسم زندگی اے بے نیاز زندگی — تیرے دم سے ہے ترنم خیز ساز زندگی
آنکھ سے پنہاں ہیں سب پست و فراز زندگی — منکشف تو نے کئے عالم پہ راز زندگی

روح لذات دو عالم کا خلاصہ بن گئی
حاصل کونین تیری ہر تمنا بن گئی

تو بساط دہر پر زندہ کن تقویم ہے — تیری ہستی لذت کونین کی تعلیم ہے
خدمت انسان سے بالاتر تری تعظیم ہے — محفل عرفاں میں بھی تو واجب التکریم ہے

عشق کی دشوار رہ کا راہبر تو ہی تو ہے
ظلمت شب کیلئے روشن قمر تو ہی تو ہے

کون ہے تیرے سوا حسن ازل کا رازداں — رہگذر گاہ تخیل جلوہ گاہ لامکاں
جس حقیقت کو نہیں پہنچے کبھی وہم و گماں — آئینہ بردار ہے اسکا ترا حسن بیاں

بے نشاں جو شے ہو اس کو با نشاں کرتا ہے تو
قلب بیگانہ کو اپنا رازداں کرتا ہے تو

تیری بزم آرائیوں میں کیا خدا کی شان ہے — تیری نیرنگی سخن کا معترف یونان ہے
مردہ دل اقوام کو تو زندگی ہے جان ہے — بات تیری ارمان کی تو حاصل ایمان ہے

دین و دنیا دونوں مٹتے ہیں ترے انداز پر
شمعیں جان دیتی ہیں اک پروانہ جانباز پر

جن ممالک کو ترقی پر ہے اپنی ناز آج — تیرے احسانات کا مظہر ہے انکا تخت و تاج
نامکمل سے نظر آتے شہنشاہوں کے راج — تیرے ہونے سے ہوئی تکمیل ترکیب مزاج

آدمیت ہو گئی پیدا سلیقہ آگیا
تیرے حسن گفتگو سے ہمکو کیا کیا آگیا

تیرے مرنے پر بھی جا بجا موجود تیرا نام ہے — تیری عالی حوصلہ فطرت کا یہ انجام ہے
تو مٹا ہے اور نہ مٹنا تیرا آساں کام ہے — تیرا ہر شعر اک دوامی زیست کا پیغام ہے

زندہ ہیں جب تک ترے اشعار تو مرتا نہیں
رنگ تازہ روز جو بدلے یہ وہ دنیا نہیں

ملک وہ اچھا جہاں پیدا ہوں یہ لعل و گہر — قوم وہ بہتر ہو جس میں ایسے ارباب ہنر
وہ مکاں کس کام کا کس کام کے وہ بام و در — گو شواروں نے نہ جس کے دیکھے ہوں ایسے بشر

ایسی تعمیروں کا ہونا اور نہ ہونا ایک ہے
تو نہ ہو شاعر تو مٹی اور سونا ایک ہے

ثاقب جالندھری

ظفر نمبر کو دیکھکر

آہ، اے دہلی! اے بہشتِ عشرتِ عہدِ کہن
مہر و مہ سے تھی کبھی آباد تیری انجمن

اے دیارِ نامرادی، اے مزارِ رنگ و بو
تیری رگ رگ مین روان ہے تاجدارونکا لہو

پھول تیرے باغِ عشرت کی ہوا کھائے ہوئے
اس فضا مین آج بھی ملتے ہین، مرجھائے ہوئے

کتنے غنچے، کھل چکے ہین اس خس و خاشاک سے
کتنی تہذیبین، بنی، بگڑی، ہین تیری خاک سے

مدتون، کی پاسبانی، گردشِ ایام کی
مدتون تو نے سنواری، قسمتین اقوام کی

مٹ نہین سکتے جہان سے تیری عظمت کے نشان
کون کہہ سکتا ہے ٹھنڈے دل سے تیری داستان

تو کہان، اے یادگارِ کاروانِ محتشم
رہگیا ہے جانے والون کا فقط نقشِ قدم

خلجی و سوری سے لیکر، تا بہ ایامِ مغل
اک صدا تھی گونجتے تھے جس سے میدان و جبل

کیا ہوئے، اے دہلیِ برباد! آخر کیا ہوئے
عظمتِ ہندوستان کے، وہ مناظر، کیا ہوئے

شب کی نکہت بیز، وہ رنگینیان کیا ہو گئین
صبح ہونے بھی نہ پائی تھی، کہ کلیان سو گئین!!

قوتین اس منقلب دنیا مین آتی جائینگی
یہ ہوائین، نو بہ نو غنچے کھلاتی جائینگی

ذرہ ذرہ ہے جہانکا، مرکزِ رازِ فنا
زندگی ہے کاروانِ موت کو بانگِ درا

رہینِ اجزائے تلون ہے، مزاجِ کائنات
"وہ تغیر ہے، جسے حاصل ہے دنیا مین ثبات"

پھر بھی تیری عظمتِ دیرینہ کے دُرِ ثمین
جن سے رخشندہ تھی، اے دہلی، کبھی تیری جبین

اپنی، عبرت خیز، آب و تاب کھو سکتے نہین
زلزلون مین، دہر کے پامال ہو سکتے نہین

علی اختر اختر

ہمسفر لڑکی سے!

اے درِ ناسفتہ گہرِ جانی، بات سن
نوبہارِ حسن، اے روحِ شادمانی، بات سن

بے جھجک کھڑکی سے باہر جھانکنا اچھا نہیں
تو نے اب تک مری جان دنیا کو پہچانا نہیں

تیری یہ الھڑ ادائیں، یہ شکوہِ دلبری
حسنِ سیرت میں فرشتہ، حسنِ صورت میں پری!

زندگی کے قہرمانی پیچ و خم سے بے خبر
رنجِ حرمان سے مبرا، فکرِ غم سے بے خبر!

چھوٹے بچوں کی طرح باتیں کیے جانے کی خو
نرم لہجہ، لوچدار آواز، شیریں گفتگو

آنکھ میں امرت، نگاہوں میں لڑکپن کا خمار
پھول سے رخسار جیسے سرخ قندھاری انار

انگلیوں میں لمس کی خواہش، نظر میں جستجو
تارے کے کھلونوں کو چھو لینے کی دل میں آرزو

بیٹھے بیٹھے اک تڑپ کے ساتھ اٹھ جانے کی آن
چشمِ حیرت کو دکھاتی ہے رمِ آہو کی شان

نرم و نازک مسکراہٹ، بے محابا سادگی
بندشِ رسم و تکلف سے بری آزادگی

اپنی طفلانہ نگاہوں کے فسوں سے بے خبر
جس کو چاہا دیکھا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

جس سے چاہا بے جھجک کچھ دیر کر لی گفتگو
جس کے چاہا بے تکلف آن بیٹھی روبرو

تو خود خوش، دیکھتی ہے غیر بیگانہ وار
کچھ خبر ہے تو نے کتنے دل کیے ہیں بے قرار؟

کس کے کس کے بربطِ ہستی میں ہنگامہ کا راگ
کس کے کس کے خرمنِ جاں میں لگا دی تو نے آگ؟

کتنے لوگوں پر کیا ہے تو نے خواب و خور حرام؟
کتنی روحیں ہو گئیں مجروحِ شوقِ ناتمام؟

کتنی جانیں ہیں گرفتارِ الم، پامالِ ذوق؟
اپنے جی میں کس کو کس کو ہے گزر جانے کا شوق؟

کتنے دل ہیں جو تری جفا سے پامال ہیں؟
کتنے سینے ہیں جو تیرے غم سے مالا مال ہیں!

دور کیوں جاؤں خود مجھ کو دیکھ کس حالت میں ہوں!
چل چکا ہے تیری طفلانہ اداؤں کا فسوں

ڈالتا ہوں یوں کنکھیوں سے تری جانب نظر
میری بے چینی سے واقف ہیں سارے ہمسفر

دل میں اتری جا رہی ہے نرم لہجے کی کھنک
قلب میں پیوست ہے شیریں تبسم کی چمک

روح پر چھایا ہوا ہے والہانہ سوز و ساز
چبھ چلا ہے سینۂ غم میں تنفس کا گداز

ہو چکی ہے میٹھی میٹھی درد کی دل میں کسک
نوکِ نشتر بن چلی ہے گرم سانسوں کی کھٹک

سرنگوں ہے آستانِ غم پہ عقلِ ہرزہ کار
پرفشاں قیدِ عناصر میں ہے روحِ بیقرار

گو بظاہر منہمک ہوں پانیر اخبار میں
غرق ہوں لیکن سرورِ لذتِ دیدار میں

ذوقی۔ بی۔ اے

انتظار

ہجر کی رات بدستور کٹی جاتی ہے
آہ اُمید! کہ اب بھی نہین سونے دیتی
دل یہ کہتا ہے کہ کیا ہو جو کوئی آجائے؟
در کھلا چھوڑ دو سوتا ہون تو سا جانے دو
جاگتے جاگتے پھر صبح ہوئی جاتی ہے!
مجھکو مایوس بھی ظالم نہین ہونے دیتی
اور سوتا ہوا دیکھے تو تجھے تڑپائے!
کوئی آجائے تو روکو نہ اُسے - آنے دو!

پائے نازک کی صدا گر نہ جگانا چاہے
ہمدمو تم بھی خدارا نہ جگاؤ مجھکو
ہین پرندون کے خوش آئند ترنم بیکار
مین نہ جاگون کہ مرے خواب پریشان نکرو
اور پازیب کی جھنکار سُلانا چاہے
اور اس خوابِ گران سے نہ اُٹھاؤ مجکو
اور نسیمِ طرب افزا کے تراکم بیکار
آہ اتنا تو مجھے اُس سے پشیمان نکرو

اے خوشا وہ مری نیندین وہ مری بیہوشی!
اے خوشا وہ مری جاگی ہوئی انکھین پرخواب
صرف وہ نور تبسم جو کسی چہرے سے
اور تاریکیٔ غمخانے کو یون دور کرے
اُسکے چھونے پہ جو قربان ہون بصد خاموشی!
جو کسی نور تبسم کے لئے ہون بیتاب!
آفتابِ شفقی رنگ کی صورت نکلے
جس طرح خوابِ صنم نیند کو پر نور کرے

میری آنکھون مین وہی نور سما جانے دو!
صبح دم آنکھ کھلے تو وہی صورت دیکھون
اُسی نظارۂ دلکش سے محبت بنکر
بیقراری ہو مری روح کی بیداری مین
اور دلمین وہی تصویر اُتر آنے دو!
چڑھتے سورج مین وہی موہنی مورت دیکھون
ایک طوفان اُٹھے موجِ مسرت بنکر
اور ہیجانِ عمل ہو رگِ بیکاری مین

دندرین راز چنین باخبرے گردم باز
بازگردم بمنازل کہ بجود جویم راز

(ٹیگور) گیتانجلی گیت نمبر ۴۴

طالب باغپتی

کوئی میرے لئے

سُن! اے پرسانِ حالِ ماسبق میرے "لئے کوئی"
کبھی تھا اک گمان و وہم اک خوابِ پریشان تھا

کبھی تھا آرزو، حسرت، تمنا، خواہش و ارمان
کبھی' وہ 'باعثِ ویرانیِ قلبِ پرارمان تھا

کبھی جوشِ تلاش و جستجو، "شوقِ طلب تھا" وہ
کبھی وجہِ شکستِ ہمتِ طبعِ پریشان تھا

کبھی تھا اضطراب و بیقراری درد و بیتابی
کبھی تسکین و آرام و سکونِ دل کا سامان تھا

کبھی تفریح و لذت، بہجت و لطف و مسرت تو
کبھی درد و خلش سوز و تپش تکلیف و حرمان تھا

کبھی اک نشہ تھا، اک کیف تھا، اک کیفیت تھا وہ
کبھی کربِ خمار و تلخیِ لذت کا سامان تھا

کبھی اک فخر تھا ایسا جو بیخود کر دے انسان کو
کبھی شرم و پشیمانی و افسوسِ نمایان تھا

کبھی وجہ وقار و عز و جاہ و نیکنامی، تو
کبھی بدنامی و رسوائی و ذلت کا سامان تھا

کبھی "وہ راز" تھا سکھلائے "طرزِ رازداری" جو
کبھی "وہ" باعثِ افشائے رازِ عشقِ پنہانِ تھا

غرض اس رنگ کو ملنے نہ پایا رنگِ یکرنگی
یہ وہ قصہ تھا جسکا ہر گھڑی تبدیل عنوان تھا

بدلتی ہی رہی مثلِ زمانہ کیفیت اسکی
کہ میرا درد بھی مانندِ دورِ چرخ گردان تھا

وگرنہ یوں تو اک تکلیف و درد و سوزِ پنہان کا
وہ اب بھی وجہ و سامان ہے وہ جب بھی وجہ و سامان تھا

شمیم عسکری

تجلیات

نگاہِ ناز کسی کی کرشمہ ساز بھی ہے
کہ ایک وقت میں محمود بھی ایاز بھی ہے

فسونِ حسن کا اعجاز ہے یہ جلوۂ یار
وفورِ شوق کی دعوت بھی ترکتاز بھی ہے

مرے عزیز مجھے دیکھکر نہ گھبرائیں
دیا ہے درد یہ جس نے وہ چارہ ساز بھی ہے

چٹک کے غنچۂ گل نے کہا یہ بلبل سے
حیات راز نہیں بھی ہے اور راز بھی ہے

نہ کوس زخمہ دا نگشت کو امینؔ ناحق
میں پوچھتا ہوں کہ پہلو میں ابؔ وہ ساز بھی ہے

امین حزین

دعوتِ عمل

رونقِ بزمِ کائنات ! اپنی تجھے خبر بھی ہے
آئینہ داری میں تری شمس بھی ہے قمر بھی ہے

گردشِ چرخ کو دکھا اپنی کرشمہ سازیان
تیرے نگار خانہ میں ہوش رُبا نظر بھی ہے

سرمۂ چشمِ مہر و مہ ، غازۂ عارضِ چمن
اور ترے آستان کی خاک ، کیمیا اثر بھی ہے

یاس کی کشمکش سے ہے زینتِ بزمِ آرزو
دیدۂ اشکبار میں جلوہ نما گہر بھی ہے

آئینہ جہان کا تو دیکھ رہا ہے ایک رُخ
ظلمتِ شب کے پردے میں ورنہ یہان سحر بھی ہے

گریہ بخت تابہ کے شکوہ چرخ تا کجا
منزلِ زیست میں عمل کی ایک رہگذر بھی ہے

گلشنِ عیش سے نکل وادیٔ جانگسل میں آ
دشتِ طلب میں خضرِ راہ جادۂ پرخطر بھی ہے

خواہشِ نفس خوب ہے درجۂ اعتدال پر
تیرے لئے یہ راہزن مونس و راہبر بھی ہے

طالبِ حریت تو ہو ، زر جو نہیں ، نہیں سہی
صحنِ چمن میں نخلِ سرو دیکھ کہ بے ثمر بھی ہے

دو نون جہان سے درگزر اپنا نیا جہان بنا
ذرہ خاک میں تری وسعت بحر و بر بھی ہے

محمود اسرائیلی

طاہرہ خانم

اب چشم خونفشان کی گہر ریزیان کہان
طفلی کی یاد مین بھی دل آویزیان کہان

چمکی مری نگاہ محبت کے نور سے
تکمیل ہو گئی مری تیرے ظہور سے

یکسر بدل گیا مری تخلیق کا نظام
معدوم ہو گئی ہین مری خامیان تمام

سیرِ بہشت رازِ تمنا ہے اور مین
معصوم شوخیون کا تماشا ہے اور مین

نیرنگ روزگار سے گھبرا گئے ہین جو
افلاک کے طلسم سے چکرا گئے ہین جو

ہوتے ہین وہ ولادتِ دختر پہ اشکبار
فرزند کی طلب نہین رکھتی ہے بیقرار

میرے لئے ہے دختر و فرزند ایک چیز
دونون اگر ہین عاقل و حق کوش و باتمیز

اصغر حسین خان نظیر لودھیانوی

باتصویر علمی ادبی ذخیرہ
ایک کارڈ لکھکر مفت منگا لیجئے
آرٹ پیپر پر بلاک سے چھپی ہوئی متعدد تصاویر کے علاوہ کتابی سوا سو صفحوں کے
اس میں وہ مضامین ہیں جنمیں ہر مذاق کی دلچسپی کا خیال رکھا گیا ہے۔ اگر آپ یہ ذخیرہ
باتصویر حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ لکھکر
دین و دنیا
بالکل مفت منگا لیجئے اس میں دینداری اور دنیاداری کی تعلیم ہے
اور اسمیں ہر قسم کے دلچسپ مضامین اور افسانے ہیں اور وہ سب کچھ ہے جسکی آپکو ضرورت ہے
سیاسی دنیا کی معلومات اسمیں کافی موجود ہیں تاکہ آپکو یہ معلوم ہو سکے کہ اسوقت دنیا کس رنگ میں ہے
مذہب و اخلاق کی تعلیم کا بھی کافی ذخیرہ موجود ہے جسکو قرآن و حدیث و دیگر مستند کتب سے اخذ کیا گیا ہے
اعلیٰ مغربی لٹریچر کی بھی اسمیں وہ روح ہے جو یورپ و امریکہ کی نایاب کتب سے حاصل کی گئی اور
ایسے دلچسپ و پرشوخ مضامین بھی اسمیں دیے ہیں جو بدتوں کو ہنسا دے اور مردہ دلوں میں زندگی پیدا کر دیتے ہیں
دلچسپ افسانے بھی وہ افسانے ہیں جو محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں
معاش کی تدبیریں بھی اس میں دی ہیں جنکی مدد سے بے روزگار صاحب روزگار بن سکتے ہیں۔
عورتوں کیلئے بھی اس میں نہایت مفید و دلچسپ اور کارآمد مضامین درج کئے گئے ہیں
غرضکہ اسمیں وہ سب کچھ ہے جسکا یکجا طور پر ملنا بے ترتیب ممکن ہے لکھائی چھپائی اعلیٰ ٹائٹل رنگین
منیجر دین و دنیا خواجہ بک ڈپو دہلی

شروع سنہ ہجری تک خاص رعایت یہ زرین موقعہ ہاتھ سے نہ دین

ایک عدد دینو سائیکل مفت ہمراہ تمام ساز و سامان کے

اگر حاصل کرنا ہو تو ہمین مندرجہ ذیل اشیا کے آٹھ روپئے کا آرڈر دین تو ہم آپکو ایک انعامی ٹکٹ روانہ کردینگے بموقعہ شروع سنہ ہجری تک جو مئی سنہ ۱۹۳۰ء بروز جمع چند معزز اشخاص کے سامنے جس شخص کا نمبر نکلیگا اسے یہ سائیکل تمام ساز و سامان کے ہمراہ مفت روانہ کیا جاویگا یہ انعام ہماری کمپنی نے محض شہرت کارخانہ کی وجہ سے رکھا ہے، چنانچہ یہ زرین موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دین ایمانداری کی اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اگر مال پسند نہ ہو تو فوراً واپس کردو۔

لنگی ریشمی مشہدی ۴ گز درجہ اول عہ دوم للعہ سوم ہے
〃 〃 ۶ گز 〃 〃 صہ 〃 للعہ 〃 ہے
امیرانہ ریشمی ملکی صافہ ۴ گز 〃 〃 عہ 〃 للعہ 〃 ہے
〃 〃 ۶ گز 〃 〃 صہ 〃 للعہ 〃 ہے
معین سوتی لنگی پشاوری ۴ گز 〃 〃 ہے 〃 ہے 〃 عا
〃 〃 ۶ گز 〃 〃 ہے 〃 عا 〃 عا
پشاوری سادہ کلاہ مخملی کناویزی درجہ اول عمہ 〃 ۱۴ 〃 ۱۲
کلاہ زیدا پشاوری 〃 〃 〃 عا 〃 عہ 〃 عہ
سلمہ ستارہ پشاوری مخملی 〃 للعہ 〃 ہے 〃 عا
اصلی خالص ریشمی رومال فیدرجن 〃 لہ عہ 〃 عہ 〃 عہ
〃 سلکی 〃 〃 〃 〃 صہ × × ×
〃 خالص ریشمی ازاربند 〃 〃 〃 ہے 〃 صہ 〃 〃 للعہ

اصلی خالص ریشمی ازاربند فیدرجن اول لعہ دوم ہیعہ سوم ہے
〃 〃 سلکی 〃 〃 〃 عا 〃 × ×
〃 ریشمی 〃 ٹائی 〃 لعہ 〃 ہیعہ 〃 ہے
〃 〃 مفلر نیلیٹ مشن فیدو درجہ اول عا دوم عا سوم ہیعہ
〃 〃 دہاریدار درجہ اول ہیعہ دوم عہ سوم عہ
سلکی ریشمی نٹ کنگ نیلیٹ مشن فیجورہ 〃 عہ 〃 عا
〃 〃 سادہ فیجوڑہ 〃 عہ 〃 عہ
〃 〃 جراب 〃 ۱۰
〃 〃 〃 ۱۴
سلکی چادر کامدار ۳ ½ ا گز 〃 ہے
امیرانہ بستر نما تولیہ ½۱ × ½۲ پھولدار ہے

نوٹ اخبار کا حوالہ ضرور دین ۵ روپے کے خریدار کو للعہ کے ٹکٹ دیئے جائینگے۔

علی برادرس اینڈ کمپنی کلاتھ اینڈ ہوزری مینو فیکچررس۔ لودہیانہ (پنجاب)